بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذكرة المهدي عليه السلام في تفسير ابن عربي رحمة الله عليه

مولّفه

شمس العلماء جلالۃ العلم مفسر قرآں علامہ

حضرت پیر و مرشد الحاج سید میرانجی عابد خوندمیری صاحب قبلہ

ناشر

سید حیات اکیڈمی، چنچلگوڑہ، حیدرآباد، الھند۔

نام کتاب: تذکرۃ المہدیؑ فی تفسیر ابن عربیؒ

مولف: شمس العلماء مفسر قرآں علامہ حضرت پیر و مرشد الحاج سید میرانجی عابد خوندمیری صاحب قبلہ

سن اشاعت: ۱۴۳۹ھ م ۲۰۱۸ء

سرورق: جناب سید محبوب میاں

DTP ڈاکٹر نور محمد

تعداد: ۱۰۰۰

ناشر: سید حیات اکیڈمی، چنچلگوڑہ، حیدرآباد

فہرست

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوقات میں انسان شاہکار عظیم کا مقام رکھتا ہے اور اسی انسان میں فکر، شہسوار کا درجہ رکھتی ہے بقول مولف کتاب ھذا ''فکر صحیح ہی ایمان ہے اور فکر غلط ہی کفر ہے'' ہر انسان کے پاس بلا تفریق نسل، خطہ، مذہب، عمر اپنی اپنی فکر ہے مگر اپنی فکر کو درِ دین پر سرنگوں کرنا یہی دین داری کی اصل ہے۔

حضرت امامنا سید محمد جونپوری کی ولادت با سعادت ۸۴۷ھ، جونپور، اترپردیش میں ہوئی۔ آپ نے علم ظاہری کی تحصیل فرمائی، سات سال کی عمر میں قرآن کو حفظ کرلیا، ۱۲ سال کی عمر میں جونپور کے علماء نے آپ کو ''اسد العلماء'' کا خطاب دیا، پھر آپ پر جذب کا عالم طاری ہوا جو بارہ برس رہا، مگر ایک وقت کی نماز بھی، کبھی قضا نہیں ہوئی، پھر آپ نے ۸۸۷ھ میں قرآن کا بیان شروع فرمایا اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر تشریف لے گئے اور شرع مصطفیؐ کی تبلیغ فرمائی، پھر بحکم خدا ۹۰۱ھ میں ''مہدی موعود'' ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ پس قرآنی آیت کے موجب ''فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر'' لوگ عمل پیرا ہوئے اور اس کے بعد ہی لوگوں کے ذہن میں اک نئی طرز فکر نے جنم لیا کہ عقیدۂ آمد مہدی ''مہدیوں'' کا عقیدہ ہے۔ حالانکہ عقیدۂ آمد مہدی کا ذکر احادیث مبارکہ میں اس شان کے ساتھ موجود ہے کہ کسی اور مسئلہ میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے، مگر کیا کیجے غلط طرز فکر نے لوگوں کو گمرہی کی ڈگر پر ڈالدیا اور اپنی اس غلط طرز فکر کے اثبات کیلئے نت نئے اصول اور ضابطے بنالئے اور اس بات کو سب سے زیادہ شدّ و مدّ کے ساتھ پیش کیا گیا کہ قرآن شریف میں ذکر مہدی بتاؤ۔؟

حالانکہ ہر چیز کا قرآن میں ذکر ہونا وہ بھی صراحت اور نام کے ساتھ ضروری نہیں ہے، کیونکہ ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کا تعلق ضروریات دین سے ہے مگر ان باتوں کا قرآن میں ذکر نہیں ملتا، اگر یہی قانون تسلیم کرلیا جائے کہ جس بات کا قرآن میں ذکر ہے بس وہی دین ہے تو دین کے اکثر حصّے سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔

اور حضور پر نور محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ نے جب بعثت مہدیؑ کی بشارت دی تو آپؑ کا تعلق بشارتوں اور پیشین گوئیوں سے ہوا، پس اسکو رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ڈھونڈنا چاہئے نہ کہ کلام خدا میں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہء آفتاب راچہ گناہ (سعدیؒ)

ترجمہ۔ اگر چمگاڈر دن کے وقت آفتاب کو نہ دیکھے تو اس میں قرص آفتاب کا کیا قصور ہے۔

حضرت مہدی موعودؑ کی بعثت سے قبل اور بعد، ہر دور میں حق پرست علماء وصوفیاء نے عقیدہء مہدی، عظمت مہدی اور مقام مہدی کا بیان اس انداز میں فرمایا کہ قرآن میں پوشیدہ اشارات جو حضرت مہدیؑ کی بعثت، منصب اور مراتب حتیٰ کے اصحاب کے مقام کو بیان کرتے ہیں انکو بطور تفسیر لکھ کر امّت پر احسان عظیم فرمایا۔

یہ کتاب "تذکرۃ المھدی فی تفسیر ابن عربی ؒ" بھی اسی قبیل سے ہے۔یعنی حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے قرآن میں ۲۱ مقامات پر حضرت مہدی موعودؑ کے تعلق سے موجود اشارات کی نشاندہی فرمائی ہے۔

اور حضرت علامہ مفسر القرآن مولف معجم الدین پیر ومرشد الحاج سید میرانجی عابد خوندمیری صاحب قبلہ نے تفسیر ابن عربی میں موجود ان اشارات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی مدلّل اور مفصّل تشریح وتوضیح فرمائی ہے، یہ علامہ موصوف کی خداداد صلاحیت ہے کہ علامہ موصوف کا قلم جب بھی چلتا ہے تو انسانی ذہن کے پیچ وخم ہموار ہو جاتے ہیں، گیسوئے پریشاں سلجھ جاتے ہیں، لرزتے ہوئے قدموں کو استقامت نصیب ہوتی ہے اور یقین دل کو نئی جلا ملتی ہے۔

خدائے علیم وقدیر سے یہی دعا ہے کہ اے اللہ۔ علامہ موصوف کے اس ذہن کو سلامت رکھ، اس قلب سلیم کو سلامت رکھ، اس نظر فیض اثر کو سلامت رکھ، ان انگشتہائے مبارک کو سلامت رکھ، جن کی بدولت علم کی روشنی پھیل رہی ہے، جن کے طفیل ایمان وعقیدہ میں پختگی مل رہی ہے، جن کے صدقہ سے عمل کی راہیں ہموار ہورہی ہیں۔

ادارہ "سید حیات اکیڈمی، چنچلگوڑہ، حیدرآباد" کے ارباب اہل عقدول کا نون ہے۔ جنہوں نے "سید حیات صاحب مرحوم وصبر النساء صاحبہ مرحومہ" کے ایصال ثواب کی نیّت سے کتاب ھٰذا "تذکرۃ المھدیؑ فی تفسیر ابن عربیؒ" کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کیلیئے طباعت کے تمام تر اخراجات کا بار اٹھایا۔

خدائے حیّ لایموت سے دعا ہے کہ جب تک اس کتاب سے استفادہ ہوتا رہے گا، خاتم النبیّن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور خاتم ولایت محمدیہ حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ الصلاۃ والسلام کے صدقہ وطفیل سے مرحومین کو اس کا ثواب عطا فرمائے اور قارئین کتاب ھٰذا سے بھی التماس ہے کہ مرحومین کے حق میں دعائے مغفرت ودیدار فرمائیں

اراکین دار المعارف مہدویہ، الھند

چن پٹن

تعارف ابن عربیؒ

شیخ ابو بکر محی الدین محمد بن علی المعروف ابن عربی و شیخ اکبر، ۱۷ رمضان۔ ۵۶۰ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۱۶۵ء میں مرسیہ میں پیدا ہوئے، جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے، آپ کا تعلق عرب قبیلے "بنو طے" سے تھا۔ شیخ محمد صادق شہبان مناقب غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ محمد محی الدین کے والد بزرگوار کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی، ان کو اولاد کی بہت تمنا تھی، جب ان کا سن پچاس برس کا ہوا تو اولاد سے ناامید ہوگئے، پھر بھی ایک سچے مومن کی طرح خدائے تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوکر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے پاس گئے، اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی، آپ نے دعا فرمائی، حق تعالیٰ نے ان کو الہام کے ذریعہ سے آگاہ کیا کہ بڑھاپے میں اولاد ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اگر کوئی دوسرا شخص ان کو اپنی اولاد 'ہبہ' کردے تو ممکن ہے۔ جس پر شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ "میرے صلب میں ایک لڑکا ہے، اس کو میں نے تمہیں دیا۔ وہ اب تمہارے حصہ کا ہوگیا اور تمہارے گھر پیدا ہوگا۔ تم اس لڑکے کا نام محمد رکھنا اور میں نے اسے اپنا لقب بھی عطا کیا، ان شاء اللہ وہ اس امت محمدیہ کا نہایت ہی جلیل القدر ولی ہوگا۔ علی بن محمد حضرت سے رخصت ہوکر مکان پر پہنچے، اسی شب کو ان کی بی بی حاملہ ہوئیں، اور ان کے ہاں محمد ابن عربی پیدا ہوئے۔ علی بن محمد ان کو لیکر حضرت کے پاس گئے، حضرت نے ان کو گود میں لیا اور دینی و دنیوی دعاؤں سے ان کو مالامال کیا۔

شیخ محی الدین ابن عربی علوم ظاہری اور باطنی میں یگانہ دہر تھے، بعد فراغت شروع شروع میں آپ کو علم حدیث و تفسیر کا شوق پیدا ہوا، اور زیادہ تر اسی کا مشغلہ رہا۔ جس کام کو آپ شروع کرتے تھے اس کو انتہاء و کمال کو پہنچانا آپ کا فرض تھا۔ بغداد کے ایک شیخ صاحب نے آپ کے حالات منضبط کئے ہیں۔ اس میں آپ کی تصانیف پانچسو سے زیادہ لکھی ہیں۔ قرآن مجید کی آپ نے چند تفسیریں مختلف طریقوں پر لکھی ہیں۔ جن میں سے ایک صرف ۱۶ پاروں کی ہے اور ۹۵ جلدوں میں ختم ہوئی تھی۔ ایک دوسری تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے جس میں اختصار اور عام محققین کا اسلوب مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ ایک تفسیر آپ کی تصوّف کے ڈھنگ پر ہے۔ فنِ حدیث میں بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔

آپ، امام مالکؒ کے مذہب کے پیرو تھے۔ اور ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی، آپ شریعت کے جس قدر پابند تھے وہ آپ کی کتاب "فصوص الحکم" کے خطبہ کی اس عبارت سے جس میں آپ نے اس خیال کی تائید کی ہے ظاہر ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"أرجو ان أكون ممن قيد بالشرع المحمدي فتقيد وقيد و حشرنا في زمرته كما جعلنا في امته"۔

مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں سے کردیگا جو شرع محمدی کے پابند کئے گئے، پس خود بھی اس کے پابند ہوئے اور دوسروں کو اس کا پابند بنایا۔ اور میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ میرا حشر بھی انہیں کے زمرہ میں کریگا۔ جیسا مجھے ان کی امت میں ہونے کا فخر عطا کیا۔ عبد الوہاب شعرانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ صاحب کہا کرتے تھے۔ کہ "جس

کسی نے ایک لحظہ کے لئے شریعت سے باہر قدم رکھا وہ ہلاک ہوا۔ جس کسی کے عقیدہ کا یہ حال اور پابندی شریعت کا یہ لحاظ ہو۔ اس پر ایسی بے بنیاد، من گھڑت باتیں ان کی طرف منسوب کرنا اور لوگوں کو انکی طرف سے بد ظن کرنا، کس قدر بد تر بات ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے درمیان راستے میں ملاقات ہوئی اور یہی پہلی اور آخری ملاقات تھی، مگر دونوں کے دلوں کی کشش اور صفائی قلوب نے ایک دوسرے کے حالات سے باہم آگاہ کر دیا، چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لوگوں نے ابن عربیؒ کے تعلق سے پوچھا تو، آپؒ نے فرمایا "ابن عربی علم حقائق کے دریائے ذخار ہیں، ان کا علم و فضل ان کے بشرہ سے ظاہر ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں"۔

شیخ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ "میری نظر میں کوئی شخص ابن عربیؒ کے مبلغ علم کو نہیں پہنچا، لوگ ان کی تصانیف لکھوانے اور تلاش کرنے میں سینکڑوں روپئے خرچ کرتے ہیں، ان کے مخالفین دو طرح کے ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں جو بالکل ظاہر بین ہیں اور ان کے کلام کو مطلق نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہیں تو غلط معنوں میں، وہ لوگ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کے اقوال کے مخالف ہیں۔ دوسرا وہ فرقہ ہے جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے، وہ حاسدوں کا گروہ ہے۔ جس کو ہمیشہ نیک و بزرگ اور ان لوگوں سے جو اس زمانہ میں ممتاز تھے۔ عداوت رہی اور ان کا یہ کام تھا کہ جھوٹی اور لغو باتیں لکھ کر یا کہہ کر ان کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ تا کہ عام رجحان ادھر سے جاتا رہے اور لوگ بد ظن اور مخالف ہو جائیں۔

جیسا کہ عبد الوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ "حساد نے فتوحات مکیہ میں بہت سی جعلی اور جھوٹی باتیں بنا کر رشک و حسد سے لکھدی ہیں"۔

جب میں ابو طاہر مغربی سے مکہ میں ملا تو انہوں نے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ "فتوحات مکیہ" مجھے دیکر مقابلہ کیا تو سب باتیں جو محض جھوٹ اور افترا پردازی پر دال تھیں، نہ نکلیں۔ جنکو میں انکے کلام کی طرف منسوب ہوتے بارہا سن چکا تھا۔ پس وہ سب عبارتیں جو اصل نسخہ میں نہ تھیں، میں نے اپنے نسخہ فتوحات مکیہ سے نکالدیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ ابن عربیؒ کو برا کہتے ہیں اور انکی سخت مخالفت کرتے ہیں اور اپنے منہ کو برا اور ناپاک کرتے ہیں، وہ ان تمام اقوال اور سندات کو کہاں پھینک دیتے ہیں، جو ان لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی ہیں۔ جن کو وہ خود بھی اچھا اور اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں، اتنے جلیل القدر بزرگ کو برا کہنا معمولی بات ؟، جس کی شان میں لوگوں نے ایسے ایسے منقبت کے جملے لکھے ہوں، امام نووی سے لوگوں نے ان کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا "تلک امۃ قد خلت" مومن کو گالی دینے سے انسان فاسق ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ اولیاء کے ساتھ بد گمانی کرنا، اور ان کو برا کہنا، ان کے اقوال و افعال اگر سمجھ میں نہ آویں تو بھی ان کی اچھی تاویل کرنا چاہئے، جب تک آدمی اس مرتبہ کا نہ ہولے، جس کے بارے میں کہنا چاہتا ہے۔ ان کے کلام کو جھوٹ نہ سمجھے۔

امام اسعد یافعی، ابن عربی کے بڑے مداح تھے اور لکھتے ہیں کہ ان کو ولایت عظمیٰ حاصل تھی۔

شیخ الاسلام زکریا سے منقول ہے کہ ''ان کو امام یافعی نے محی الدین ابن عربی کی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دی تھی، اور کہا کرتے تھے کہ جہال اہل طریق سے انکار کرتے ہیں، تو گویا وہ چاہتے ہیں کہ پہاڑ کو پھونک مار کر اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ اور جو شخص اولیاء سے عداوت رکھتا ہے وہ اللہ سے عداوت رکھتا ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ''ابن عربیؒ عارفوں کے ولی ہیں اور نبی عربی کے قدم بقدم چلتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے ان کو بہت بڑا جلیل القدر ولی لکھا ہے۔

صلاح الدین علماء مصر کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جس کو علم لدنی والے کا کلام دیکھنا ہو۔ پس وہ ابن عربی کی تصانیف دیکھے۔

باوجودیہ کہ ابو عبد اللہ ذہبی اور ابن تیمیہ ان کے سخت مخالف تھے، مگر ایک مرتبہ ابو عبد اللہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ''کیا در حقیقت ابن عربی نے فصوص الحکم رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے لکھی ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ''ایسا علامہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا''۔

کمال الدین کاشی نے ان کو محقق اور صاحب کرامات اور کمالات فرمایا ہے۔

شیخ مجد الدین کا خیال ہے کہ ان کا مکان ملک شام میں تھا اور وہیں انہوں نے تمام علوم کی اشاعت کی، وہاں کے علماء نے ان کی تصنیفات کو قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے، جامع التذکرہ میں شام کے بارے میں ایک عبارت ہے ''لا تسبّوا الشام فان فیھم الابدال'' جب یہ مطلقاً اہل شام کے لئے ہے تو ابن عربیؒ کے بارہ میں کچھ برا کہنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

قاضی القضاۃ شیخ شمس الدین خونجی شامی پر ایک مرتبہ شیخ ابن عربی کی نظر پڑی، اسی وقت قضاءت کو چھوڑ کر ان کے گرویدہ ہو گئے اور ان کے قدم بقدم چلنے کو فرض سمجھا اور اپنی صاحبزادی کو ان کے نکاح میں دیدیا۔

شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابن عربی شام میں تھے تو وہاں کے تمام علماء ان سے ربط و اتحاد رکھتے تھے ان کو محققین کا استاد خیال کرتے تھے۔ اور احترام کرتے تھے۔

حضرت کمال الدین ملکانی جو شام کے جلیل القدر عالموں میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کے بڑے مداح تھے۔

حضرت قطب الدین حموی جب شام سے اپنے وطن روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے ابن عربی کو کیسا پایا، انہوں نے جواب دیا کہ ''میں نے ان کو علم و زہد اور معارف میں بحر ذخار پایا جس کا کنارہ نہیں ہے۔

شیخ سراج الدین مخزومی نے ان کے مخالفین کے جوابات میں نہایت ہی ردو قدح کے ساتھ ایک کتاب لکھی ہے اور لکھا ہے کہ "ہم کو محض ناسمجھی کی وجہ سے فتوحات اور فصوص وغیرہ کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔

سراج الدین بلقینی سے لوگوں نے ابن عربیؒ کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا کہ "ان کے کلام سے انکار مت کرو، کیونکہ انہوں نے اوائل عمر میں علم معرفت اور حقائق کے دریا میں غوطہ لگایا ہے"۔

امام سبکی فرماتے ہیں۔ کہ شیخ محی الدین آیۃ من آیات اللہ تھے اور اس زمانے میں علم و فضل کی کنجی انھی کے ہاتھ میں تھی۔

علماء محققین ان کی ایسی عزت اور لحاظ کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بدر الدین سبکی نے جو شام کے شیخ الاسلام تھے، محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم پر دو جگہ اعتراض کئے۔ جب سراج الدین بلقینی کو اس کی خبر ہوئی تو بدر الدین سبکی کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ "اے قاضی القضاۃ، اولیاء اللہ کے انکار سے بچو اور ڈرو۔ اگر یوں ہی تمہیں ردو قدح کا شوق ہے تو ان کے منکروں کا رد لکھو۔ ورنہ باز آؤ، ان کی غلطی نکالنے والے خود ہی سراسر غلطی پر ہوتے ہیں، مگر ہٹ دھرمی ان کو سمجھنے نہیں دیتی۔

عماد بن کثیر کا مقولہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کے اقوال سے انکار کیا وہ مصیبت میں پڑ گئے۔ ہر کلام کے ہمیشہ دو پہلو ہوا کرتے ہیں، اچھے لوگ اچھی جانب لے جاتے ہیں اور اچھا سمجھتے ہیں اور بد خیال اس کو برائی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ فتوحات اور فصوص وغیرہ کو دیکھنے والے بھی ایسے ہی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک آدھ جو خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں اور ان کو علم باطنی بھی حاصل ہے، وہ کبھی ابن عربی کے اقوال کو خواہ وہ کیسا ہی ان کو غیر ممکن معلوم ہوتا ہو، اگر شریعت کے خلاف نہیں، اگر علماء ظاہر بین کا امتیاز نہیں۔ کیونکہ وہ کنہ کو نہیں پہنچتے اور نہ غور کرتے ہیں، ظاہر پر حکم لگا دیتے ہیں ان کو حقائق سے مطلق آگاہی نہیں ہوتی، تو وہ ہرگز اس سے انکار نہیں کرسکتے۔ اور ایک ظاہر بین علماء وہ ہین جن کو بجز پڑھ لینے کے اور کفر کا فتویٰ دیدینے کے کوئی کام نہیں، خدا سے لگاؤ نہیں، تعلق نہیں۔ دنیا میں پھنسے ہیں۔ سمجھیں تو کیا سمجھیں؟ ایسے لوگوں کو البتہ دشواریاں ہیں کہ وہ ابن عربیؒ کے اقوال کو تسلیم کریں اور انکار سے بچیں۔ کیونکہ اس ظاہری فرقہ کو دنیا میں سب محال اور غیر ممکن کہدینا آسان ہے، جو لوگ ان کی تصانیف میں غلطیاں نکالتے ہیں اور اعتراضات پیش کرتے ہیں، وہ محض ان کی بے سمجھی کی دلیل ہے اور کوتاہ بینی کا ثمرہ ہے، کلام تو اچھی طرح سمجھتے نہیں، اعتراضات دائر کردیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ خرچ ہوتا نہیں، ابھی اگر حکم ہو جائے کہ ہر اعتراض بغیر پانچ روپئے اسٹامپ کے دائر نہیں ہو سکتا اور بغیر کچھ خرچ کئے اعتراض نہیں ہو سکتا تو دیکھئے ابھی اٹکل پچو اعتراض جو بلا سوچے سمجھے کر دئے جاتے ہیں ایک بھی نہ ہو۔ ساری کتاب پر ایک جگہ بھی شبہ نہ ہو اور واقعی شبہ بھی خرچ کی وجہ سے نہ ہو۔ یہاں تو اندھے کی سی لاٹھی ماردی جاتی ہے، خواہ نشانہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح ابن عربیؒ کے مخالفین کا حال ہے۔ جو جی میں آیا کہہ گئے۔ کچھ تدارک تو نہیں۔ جس سے ان کو تامل ہو۔

حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک برابر ہر بڑے شخص کی مخالفت ہوئی، ہر نبی کے مخالفین بکثرت ہوتے رہے۔ اگرچہ ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ وہ حق پر تھے مگر ان کے وقت کتنے بڑے بڑے آدمی ہمیشہ مخالفت اور اعتراض کرتے رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین کے دور میں شروع سے آخر تک یہی حالت رہی، ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتھدین پر وہی مصیبتیں اور ملامت کی بوچھاڑیں برسائی گئیں۔ غرض یہ کہ ہر عروج والے کو اس وقت تک بھی اسی طرح کی باتیں پیش آتی رہیں۔ ابن عربیؒ کے لئے کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ وہ خدا کے محبوب بندوں میں سے تھے، علوم ظاہری اور باطنی کے یکتائے زمانہ، بے مثل و بے نظیر رہے۔ ان کی شان میں سخت الفاظ کہنا دین اور ایمان بگاڑنا ہے۔ بڑے بڑے علماء اور مشائخ نے ان کو عزت کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ان کو اپنا امام اور مقتدا قرار دیا ہے، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایسے حقائق اور اسرار سے انکار نہ کرنا چاہئے، بلکہ اگر کتاب و سنت سے مدلّل نہ پایا جائے، تو وہ مسئلہ موقوف رکھا جائے مگر اس حقیقت سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے آخر زمانہ کو حسب ذیل لوگوں نے پایا ہے۔ اور ان کی عزت اور توقیر کی ہے۔ اور ان کو بلند پایہ بزرگ اور امام تسلیم کیا ہے۔ جو خود بھی اپنے وقت کے اہل کمال تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، یہ ابن عربی کے بالکل معاصر تھے۔ اوحد الدین کرمانی، نجم الدین رازی، مصلح الدین سعدی شیرازی، صدر الدین قنوجی، موید الدین مجندی، ابو الحسن مغربی شاذلی۔ ابو العباس برسی۔ ابن الفارس حموی مصری، عزیز الدین نسفی، ابن الصباح، فخر الدین عراقی، نجیب الدین برغش شیرازی، برہان الدین ترمذی، نور الدین عبد الرحمن سفرانی، جمال الدین خورقانی، سیف الدین باخرزی، سعد الدین، ابو محمد عبد اللہ مغربی، مولانائے روم نے بھی ان کے آخر زمانے کو پایا۔

(نظام المشائخ۔ ص ۱۷تا۲۶، دہلی۔ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ م ستمبر ۱۹۲۳ء)

آپ ۵۶۸ھ میں اشبیلیہ آئے جو اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا۔ آپ نے تقریباً تیس برس کا طویل عرصہ تعلیم و تعلم اور اسلامی فلسفے کے مطالعے میں گذارا۔ ۳۸ برس کی عمر میں بلاد مشرق کی طرف روانہ ہوگئے اور مصر، مشرق قریب اور ایشائے کوچک کی سیاحت میں مصروف ہوگئے، اس دوران آپ بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد اور حلب گئے، بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

شیخ ابن عربیؒ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے نظریہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کی عقلی و شرعی تشریحات کی بنا پر پوری دنیا بالعموم اور عالَم اسلام پر بالخصوص ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں۔ حقیقت کائنات ذات واجب الوجود، مابہ الموجودات امر و خلق، انسان اور خدا ایسے بنیادی اور دقیق مسائل پر جس جامعیت سے انہوں نے قلم اٹھایا ہے، اس میں وہ اپنے انداز فکر، قوت استدلال اور حقیقت پسندی کے اعتبار سے ہر مذہب و ملت کے مفکرین سے بازی لے گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطابق ہر دور کے مسلمان فلاسفہ، مفکرین اور

تمام سلاسل کے صوفیاء نے نہ صرف یہ کہ ان کے نظریات کو تسلیم کیا بلکہ خراج عقیدت کے طور پر انھیں "شیخ اکبر" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مشائخ صوفیاء کے تمام سلاسل میں سے صرف دو بزرگوں شیخ علاء الدین سمنانی اور حضرت مجدد الف ثانی نے وحدۃ الوجود پر ان سے اختلاف کیا، جسے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی، یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی خود بھی آخر عمر میں وحدۃ الوجود کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو بھی تمام سلاسل بشمول سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کا وحدۃ الوجود پر اجماع ہے۔ ایسی صورت میں ایک دو بزرگوں کا اختلاف کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں، پھر حضرت مجدد کا نظریہ وحدۃ الشہود اس وقت کے بعض سیاسی حالات کا تقاضہ بھی تھا۔ کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملت کا تشخص دینے کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن بعد میں بر صغیر کے متشدد المسلک حضرات نے اس کی زیادہ ترویج کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سارا لفظی نزاع ہے۔ عجیب لطیفہ کی بات یہ ہے کہ ہمارے جدید دانشور اور مبصّر گزشتہ پچاس سالہ پروپیگنڈے کی بنا پر بغیر سوچے سمجھے، چھوٹتے ہی نظریہ وحدت الوجود پر برس پڑتے ہیں۔ اور قطعاً نہیں سمجھتے کہ سلوک وکشف سے قطع نظر خالص عقلی طور پر بھی وحدۃ الوجود کو مانے بغیر آخر توحید کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے۔؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی (ہستی اعلیٰ) اور اس کا اقرار وہ ابدی سچائی ہے۔ جو کم وبیش ہر مذہب میں کسی نہ کسی طرح مسلّم رہی ہے۔ محض اس بات سے دھوکہ کھانا کہ وحدۃ الوجود کے بعض تصوّرات 'ویدانت' یا دیگر عجمی افکار سے ملتے ہیں کس قدر لغو اور کمزور دلیل ہے۔ اس سلسلے میں مولوی شبلی نعمانی کی رائے بہت وقیع ہے کہ "اگر چہ بظاہر وحدت الوجود پر بہت اعتراضات کئے گئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے مانے بغیر چارہ نہیں"

مولانا جامیؒ نے آپ کی تصانیف پانسو سے زیادہ بتائی ہیں۔ آپ نے ۶۳۲ھ میں خود اپنی کتابوں کی جو فہرست مرتّب کی اس میں ۲۵۱ کتابوں کے نام درج ہیں، آپ کی تصانیف تفسیر، حدیث، سیرت، ادب، متصوفانہ شاعری، علم طبیعی ہیئت اور علوم مخفیہ پر مشتمل ہیں۔ آپ کی مشہور زمانہ تصنیف " الفتوحات المکیه في معرفة الاسرار المالکیه و الملکیه" سب سے ضخیم اور غالباً آخری تصنیف ہے۔ جو ۶۲۹ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ "فصوص الحکم" دمشق میں ۶۲۷ھ میں لکھی گئی۔ "تنزّلات" بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شیخ اکبر نے ۶۳۸ھ (۱۲۴۰ء) میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک جبل قاسیون (جو آجکل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے) میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ (انفاس العارفین ص ۳۷۸)

نیز شیخ محی الدین محمد المعروف ابن عربی کے علم اور آپ کی دینداری کے باب میں حضرت امامنا سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام کا فرمان مبارک دلیل قاطع ہے

چنانچہ جب حضرت مہدی موعودؑ کے سامنے یہ بات لائی گئی کہ ابن عربیؒ نے کہا حق محسوس ہے اور خلق موہوم ہے، سید محمد گیسو درازؒ نے کہا حق موہوم ہے اور خلق محسوس ہے، اگر ابن عربیؒ ہمارے زمانہ میں ہوتے تو میں ان کو مسلمان کرتا، تو حضرت مہدیؑ

نے فرمایا"ابن عربی توحید کے پہلوان تھے، سید محمد نے ان کے کلام کو نہیں سمجھا، ابن عربی کے پاس سید محمد ایسے ہیں جیسا کہ شیر خوار بزرگ کے پاس"(حاشیہ انصاف نامہ)

نیز یہ بھی نقل ہے کہ صحابہؓ نے حضرت مہدیؑ کے حضور میں عرض کیا'ابن عربیؒ نے فرمایا عرش سے فرش تک ایک شیٔ ہے، سید محمد گیسو درازؒ نے فرمایا ذات وراء الوریٰ ہے۔ اگر ابن عربی ہمارے زمانے میں ہوتے تو میں ان کو مسلمان کرتا۔ حضرت مہدیؑ نے فرمایا، ابن عربی توحید کے پہلوان تھے، سید محمد نے ان کے کلام کو نہیں سمجھا، ابن عربی کے پاس سید محمد ایسے ہیں جیسا کہ شیر خوار بچہ بزرگ کے پاس۔(حاشیہ انصاف نامہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿البقرة: ۱ تا ۲﴾

الم ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿البقرة: ۱ تا ۲﴾

تفسیر ابن عربیؒ: فمعنى الآية {الم ذَٰلِكَ الْكِتَابُ} الموعود، أي: صورة الكلّ **المومى** إليها بكتاب الجفر والجامعة المشتملة على كل شيء، الموعود بأنه يكون مع المهدي في آخر الزمان لا يقرأه كما هو بالحقيقة إلا هو، والجفر لوح القضاء الذي هو عقل الكلّ والجامعة لوح القدر الذي هو نفس الكلّ، فمعنى كتاب الجفر والجامعة: المحتويان على كلّ ما كان ويكون، كقولك سورة (البقرة) وسورة (النمل). {لَا رَيْبَ فِيهِ} عند التحقيق بأنه الحق، وعلى تقدير القول معناه بالحق الذي هو الكلّ من حيث هو كلّ لأنه مبين لذلك الكتاب الموعود على ألسنة الأنبياء وفي كتبهم بأنه سيأتي كما قال عيسى عليه السلام:" نحن نأتيكم بالتنزيل، وأما التأويل فسيأتي به المهديّ في آخر الزمان." **تفسیر ابن عربیؒ**(ص۱۰)

ترجمہ: الم، وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، پس آیت کے معنی یہ ہیں۔ الم (الم ذلک الکتاب الموعود) وہ کتاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے، یعنی اس کل کی صورت جسکی طرف کتاب جفر اور جامعہ کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔ (صورت جامعہ) جو ہر چیز کو شامل ہے۔ (الموعود) یعنی وعدہ کیا گیا ہے اس طرح کہ وہ آخر زمانے میں مہدی کے ساتھ ہوگا، اسکو (قرآن کو) حقیقت کے اعتبار سے جیسا کہ وہ ہے سوائے مہدی کے کوئی نہیں پڑھیگا اور جفر سے مراد لوح ہے قضا کی جو کہ عقل کل ہے۔ اور جامعہ سے مراد قدر کی لوح ہے، جو کہ نفس کل ہے۔ پس کتاب کے معنی الجفر و الجامعہ کے ہیں جو کہ حاوی ہے ہر اس چیز پر جو پہلے ہوئی ہے۔ یا آئندہ ہونے والی ہے۔ جیسا کہ تمہارا قول ہے سورہ البقر، سورۃ النمل میں کہ وہ حق ہے اور اس قول کو مقدر ماننے پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اس حق کے ساتھ ہے جو کہ "کل من حیث ھو کل" ہے اس لئے کہ وہ بیان کرنے والا ہے اس کتاب کا، وہ اس کتاب کا مبین ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے پیغمبروں کی زبانوں سے، اور ان کی کتابوں میں اسطرح آیا ہے کہ "وہ (مہدی) آئندہ زمانے میں آئیگا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ہم تمہارے پاس تنزیل کو لیکر آتے ہیں، لیکن تاویل (ان منزلہ کتابوں کی) سو اسکو لائیگا مہدی آخر زمانے میں۔ مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے جو تفسیر لکھی ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ تین امور مستفاد ہیں۔

(۱) الکتاب سے مراد قرآن ہے جس کے متعلق یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ آخر زمانے میں مہدی کے ساتھ ہوگا، اور قرآن (کی حقیقت) کو سوائے مہدی کے کوئی نہیں پڑھیگا۔

(۲) الکتاب سے مراد خود ذات مہدی موعود ہے، جس کا وعدہ پیغمبروں کے زبانوں سے کیا گیا ہے۔

(۳) مجئ مہدیؑ کے بارے میں کوئی شک نہیں۔

ذیل میں ہر ایک کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ امر اول کی تشریح۔ ابن العربی کا یہ بیان کہ قرآن آخر زمانے میں مہدی موعود کے ساتھ ہو گا۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعثت مہدی موعود سے پہلے قرآن کی سچّی اور اصلی تعلیم یعنی اس کی روح لوگوں کے ذہنوں سے مفقود ہو چکی ہو گی۔ اسلام کی جو صورت، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی۔ وہ خلفائے راشدین کے بعد کے زمانے میں مسخ ہو چکی ہو گی۔ عزیمت پر سے لوگ پھسل کر صرف رخصت کو ہی اپنے دین کی متاع سمجھ چکے ہوں گے۔ بلکہ دین میں رسم، عادات اور بدعات کا اسقدر دخل ہو جائیگا کہ عام لوگ ان ہی چیزوں کو دین سمجھ جائیں گے۔ قرآن اور اسکی صحیح تشریح سنت سے دین کو سمجھنے کے بجائے، مفسروں کے اقوال، مجتھدوں کے اجتھاد اور صوفیوں کے افعال کو ہی جو مخصوص کیفیات کے حامل ہونے کی وجہ مختلف بھی تھے، مذہب کی بنیاد سمجھ کر آپس میں بایک دیگر دست و گریباں رہینگے، اسطرح قرآن فہمی کے جذبے پر تاریک اور دبیز پردے پڑ چکے ہوں گے، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کی عملی زندگی سے قرآن اور اس پر عمل کی صحیح اسپرٹ کوسوں دور ہو جائیگی، جسکی وجہ سے قرآن کی بہترین تعلیمات جو ذکر اللہ، صحبت صادقین، دنیا کے مقابل دین کی ترجیح، طلب دیدار خدا، توکل علی اللہ، تقویٰ جیسے امور پر مشتمل ہیں اور جن کی بصیغہء امر تاکید کی گئی ہے، ان کا مسلمانوں کی زندگی سے کوئی تعلق نہ رہیگا، بلکہ ستم ظریفی یہ ہو گی کہ خود کلام اللہ میں نسخ، استثناء منقطع، حرف زائد، جملۂ معترضہ اور جملۂ مستانفہ جیسے امور کو جو کہ بلند پایہ ادیب کے کلام کے بھی شایاں نہیں ہوتے۔ کلام اللہ میں تسلیم کر لیا جائیگا۔ ظاہر ہے ایسے نازک وقت پر قدرت بے بس ہو کر تخریبی کارروائیوں کا خاموش تماشہ نہیں دیکھ سکتی تھی اور اسکو "وانالہ لحافظون" کے وعدے کے تحت، اس غرض کیلئے کہ مسلمانوں کا تعلق قرآن سے ہو جائے اور انکے سامنے قرآن کی سچی حقیقت آجائے۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو ۸۴۷ھ میں مبعوث فرمایا، چناچہ آپؑ نے دعویٰ فرمایا "مذہب ما کتاب اللہ واتباع محمد رسول اللہ" ہمارا کوئی مقید مذہب نہیں ہے بلکہ کتاب اللہ اور اتباع محمد رسول اللہؐ ہی ہمارا مذہب ہے، پھر مذہب کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی کہ مذہب عمل کا نام ہے نہ کہ قول کا۔ قرآن میں بصیغہء امر جو تعلیمات آئی ہیں ان کو بحکم خدا، فرض فرمایا۔ دین کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ دین عزیمت و عالیت ہے اور ببانگ دہل یہ بھی اعلان فرمایا کہ کلام اللہ کل کا کل ناسخ ہے، اسکی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے، اس میں نہ حرف زائد ہے نہ استثناء منقطع ہے، نہ جملۂ معترضہ ہے نہ جملۂ مستانفہ، اسطرح پورے کلام اللہ کو مربوط بیان فرمایا۔ اور قرآن کو سمجھنے کیلئے ہر ایک کو دعوت ان لفاظ میں دی کہ "برائے فہمیدن معانی قرآن نور ایمان بس است" یعنی قرآن کے معنی کو سمجھنے کیلئے نور ایمان کا ہونا کافی ہے، اسطرح قرآن کو ایک مسلمان کی زندگی کی بنیاد قرار دیا اور قرآن کے ان اسرار و رموز کو جن کا تعلق خاص ولایت و معرفت ربانی سے تھا۔ معلومات الٰہی کی بنیاد پر حکم خداوندی سے کھول کھول کر بیان فرمایا، جسکی وجہ سے قرآن کا تعلق نہ صرف مہدیؑ کے ساتھ ہو گیا بلکہ آپؑ کے متبعین کے ساتھ بھی ہو گیا۔

نیز قرآن کو عشق نامہ کہہ کر یہ تعلیم دی کہ ایک مسلمان کا کسی حال میں قرآن سے غیر متعلق، غیر مربوط اور جدا رہنا ممکن ہی نہیں ہے۔ امر دوم کی تشریح: حضرت ابن عربیؒ کا عقیدہ مہدی موعودؑ کے بارے میں یہ تھا کہ مہدی موعود "مبین قرآن" ہوں

گے۔ کیونکہ ان کی بعثت کی غرض ہی اللہ کی مراد بیان کرنا ہوگی۔ جیسا حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ ’’ہم (انبیاء کی جماعت) تمہارے پاس تنزیل (کتابوں کو) لاتے ہیں، لیکن تاویل (مراد اللہ) سو اسکو مہدی علیہ السلام آخر زمانے میں لائیں گے‘‘۔ واضح ہو کہ قرآن کے نزول کے زمانے میں مخاطبین کو قرآن فہمی میں دشواری نہیں ہوتی تھی، اگر کبھی ہوتی بھی تو آنحضرتؐ کی زبان حقیقت ترجمان سے اسکی وضاحت ہو جاتی تھی۔ آپؐ کے عمل سے صحابہ کرامؓ کی مشکل حل ہو جاتی تھی۔ لیکن اس کے بعد اسلام جب دور دراز ملکوں میں پھیلتا چلا گیا اور عرب کے علاوہ عجم کے لوگ بھی حلقہء اسلام میں داخل ہوگئے۔ تو اب ضروری تھا کہ قرآن کا ترجمہ و تفسیر لکھی جائے۔ لیکن چونکہ دین کا مدار ہی قرآن پر ہوتا ہے۔ اسلئے دین سے محبت رکھنے والوں کی ساری توجہات قرآن کی تشریح کرنے کی جانب ہی مبذول ہوئیں۔ اور ہر دور میں مختلف طریقوں پر قرآن کی تفسیریں لکھی جانے لگیں۔ اگرچہ مفسرین کا منشاء صرف یہی تھا کہ قرآن کو عام فہم انداز میں لوگوں کے سامنے اسطرح پیش کریں، جسطرح خود انہوں نے سمجھا ہے۔ لیکن بات صرف اسی حد تک نہیں رہی۔ بلکہ مفسروں کی تفسیروں کی بنیاد پر مذہب بنتے چلے گئے۔ اور ہر مفسر کا ایک خاص گروہ بنتا گیا، جو دوسرے گروہ کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہا۔ اور پھر یہ بھی ہوا کہ پہلے ایک مذہب بنا لیا گیا اور بعد میں اس کو حق ثابت کرنے کی غرض سے قرآن سے مدد لی گئی۔۔ اس غرض کیلئے قرآن کی تفسیر اس انداز میں کی جانے لگی، جس سے اپنے اختیار کردہ مذہب کو بر حق ثابت کر سکیں۔ چنانچہ اسلام مختلف فرقوں میں بٹ گیا۔ لیکن خوبی یہ تھی ہر ایک فرقہ اپنے معتقدات کی تائید میں قرآن کو پیش کرتا تھا۔ اس صورت حال کی وجہ قرآن کی حقیقت تاویلات میں کھو گئی تھی۔ کلام اللہ میں اللہ کی مراد کیا ہے۔ اسکی بہت کم لوگوں کو پروا تھی۔ ضرورت تو یہ تھی کہ اپنے مذہب و معتقدات کو قرآن کے تابع کرتے تاکہ اپنی اصلاح کر سکیں۔ لیکن اس کے برخلاف ہوتا یہ تھا کہ لوگ قرآن کو اپنے مذہب اور معتقدات کے خانوں میں فٹ کرنے کی کوشش کرتے، جسکی وجہ سے قرآن کی تفسیر کی شکل میں جو بات سامنے آتی تھی وہ اللہ کی مراد کے بجائے خود ان کے دل کی مراد ہوتی تھی۔ اور اسکی ترقی یافتہ صورت فقہاء کے دور میں ملتی ہے، اگرچہ فقہاء کرام نے اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، قرآن اور احادیث کی تعلیمات کو اس دور کے حالات کے تحت عام فہم انداز میں سمجھانے کی سعیٔ بلیغ نہایت دیانت داری سے فرمائی اس میں ان کا نہ کوئی ذاتی مفاد تھا نہ شہرت کی خواہش نہ انا کا جذبہ لیکن ان کے ماننے والوں نے اپنے اپنے امصار و دیار کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ انکو ہی حق سمجھا بلکہ ان کے غیر کو ناحق سمجھا اور بات ’قال‘ اور ’قُلتُ‘ کی سرحد میں داخل ہو کر مناظرے ہونے لگے اور کتابیں اور رسالے تصنیف ہوتے چلے گئے اور مدرسوں میں ان کے درس بھی دئے جانے لگے۔ اور علانیہ کہا جانے لگا کہ ہمارا مذہب حنفی ہے ہمارا مذہب شافعی ہے حنبلی ہے، مالکی ہے اور اسی مذہب پر فتوے جاری کئے جانے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ نے اپنے دین کی تقویت اور اصل حقیقت بیان کرنے کیلئے ’مہدیؑ‘ کو بھیجا، چناچہ جب آپ نے قرآن کا بیان فرمایا تو اس وقت کے علماء نے آپ سے پوچھا کہ آپ کس مذہب کے پیرو ہیں تو آپ نے جواب دیا ’’مذہب ما کتاب اللہ و اتباع محمد رسول اللہ‘‘۔

﴿البقرة: ١١٣﴾

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿البقرة: ١١٣﴾

ترجمہ: اور یہودی یہ کہتے ہیں نصاریٰ کی مذہبی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ یہودی بے بنیاد ہیں، اور حال یہ ہے کہ دونوں کتاب کو پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو نہیں جانتے، ان ہی کی طرح کہتے ہیں، پس اللہ فیصلہ صادر فرمائیگا ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جو ان کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔

تفسیر ابن عربیؒ: {وقالت اليهود ليست النصارى على شيء} لاحتجابهم بدينهم عن دينهم، وكذا قالت النصارى لاحتجابهم بالباطن عن الظاهر كما احتجب اليهود بالظاهر عن الباطن على ما هو حال أهل المذاهب اليوم في الإسلام. {وهم يتلون الكتاب} وفيه ما يرشدهم إلى رفع الحجاب، ورؤية حق كل دين ومذهب، وليس[1] أهل ذلك الدين والمذهب حقهم بباطل لتقيّدهم بمعتقدهم، فما الفرق بينهم وبين الذين لا علم لهم ولا كتاب، كالمشركين، فإنهم يقولون مثل قولهم بل هم أعذر، إذ ليس عليهم إلا حجة العقل وهم بحجة العقل والشرع {فالله يحكم بينهم} بالحق في اختلافاتهم {يوم} قيام {القيامة} الكبرى وظهور الوحدة الذاتية عند خروج المهديّ عليه السلام .وفي الحديث ما معناه: "إنّ الله يتجلى لعباده في صورة معتقداتهم فيعرفونه، ثم يتحوّل عن صورته إلى صورة أخرى فينكرونه"، وحينئذ يكونون كلهم ضالّين محجوبين إلا ما شاء الله وهو الموحد الذي لم يتقيد بصورة معتقده. تفسیر ابن عربیؒ (ص۔۵۴)

ترجمہ: اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کوئی چیز نہیں، ان کے دین سے غافل ہو کر اپنے دین میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود بے بنیاد ہیں، بدیں وجہ کہ وہ باطن کی وجہ سے ظاہر سے محجوب ہیں۔ جیسا کہ یہود باطن کی وجہ سے ظاہر سے محجوب ہیں؛ جیسا کہ آجکل اسلام میں بھی مذہب والوں کا حال ہے۔ اور حال یہ ہے کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہیں اور اس کتاب میں وہ چیز موجود ہے، جس کے ذریعہ وہ ان پردوں کو اٹھا کر ہر دین و مذہب کی حقیقت کو دیکھ سکتے ہیں اور ان دین و مذہب والوں نے اپنے حق کو باطل سے ملا دیا ہے، اپنے معتقدات کی قید کی وجہ سے۔۔ پس کیا فرق ہے ان میں اور ان لوگوں میں جو نہ علم رکھتے ہیں اور نہ کتاب، یہ بھی مشرکین کی طرح ہو گئے۔ اور ان ہی کی طرح کہتے ہیں، بلکہ وہ تو مشرکین سے زیادہ معذور ہیں۔ اس لئے کہ ان کے سامنے صرف (ایک) عقل کی حجت پیش کرنی پڑتی ہے۔ اور (اہل کتاب) کو عقل اور شرع دونوں کی حجتیں دی گئی ہیں۔ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ پس اللہ ہی فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ ان کے اختلافات کے بارے میں قیامت کے دن یعنی جس دن قیامت کبریٰ قائم ہو گی اور مہدی علیہ السلام کے خروج کے وقت وحدۃ ذاتی ظاہر ہو گی۔ اور ایک حدیث ان معنوں میں آئی ہے کہ اللہ اپنے بندوں

[1] اصل میں "لیس" ہے، جو یقیناً کتابت وطباعت کی غلطی ہے، صحیح "لبس" ہے جس کے معنی ملانے کے ہیں۔

کے سامنے ان کے معتقدات کے موافق متجلّٰی (ظاہر) ہو گا۔پس وہ لوگ اس کو پہچان جائیں گے۔پھر وہ اپنی اگلی صورت سے دوسری صورت میں آجائیگا،تو یہ لوگ اس کو پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔اور اس وقت یہ لوگ سب کے سب گمراہ اور محجوب ہو جائیں گے۔سوائے ان کے جن کو اللہ نے چاہاہو۔اور یہی لوگ موحد ہوں گے جو اپنے معتقدات کی صورت میں مقید نہ ہوں گے۔

نوٹ۔لبس اہل۔۔۔۔۔۔اور ان اہل دین و مذہب نے اپنے اپنے معتقدات کے حصار اور قید کی وجہ حق کو باطل سے ملادیا ہے۔

﴿آل عمران: ۳۳﴾

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ﴿آل عمران: ۳۳ تا ۳٤﴾

ترجمہ: بے شک اللہ نے عالمین میں سے آدم،نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب فرمایا،(جو) بعض نسل سے ہیں بعض کی۔

تفسیر ابن عربیؒ: {ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ} في الدين والحقيقة، إذ الولاية قسمان: صورية ومعنوية، وكل نبيّ يتبع نبيّاً آخر في التوحيد والمعرفة، وما يتعلق بالباطن من أصول الدين فهو ولده كأولاد المشايخ في زماننا هذا. وكما قيل: الآباء ثلاثة: أب ولدك، وأب رباك، وأب علمك. فكما أن وجود البدن في الولادة الصورية يتولد في رحم أمّه من نطفة أبيه، فكذلك وجود القلب في الولادة الحقيقية يظهر في رحم استعداد النفس من نفخة الشيخ والمعلم. وإلى هذه الولادة أشار عيسى عليه السلام بقوله: "لن يلج ملكوت السموات من لم يُولَد مرتين".

واعلم أنّ الولادة المعنوية أكثرها يتبع الصورية في التناسل، ولذلك كان الأنبياء في الظاهر أيضاً نسلاً، ثم ثمر شجرة واحدة، فإن عمران بن يصهر أبا موسى وهارون كان من أسباط لاوي بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم، وعمران بن ماثان أبا مريم أم عيسى عليه السلام كان من أسباط يهود بن يعقوب، وكون محمد عليه الصلاة والسلام من أسباط إسماعيل بن إبراهيم مشهور وكذا كون إبراهيم من نوح عليه السلام. وسببه أنّ الروح في الصفاء والكدورة يناسب المزاج في الاعتدال وعدمه وقت التكوّن، فلكلّ مزاج يناسبه ويخصّه، إذ الفيض يصل بحسب المناسبة وتفاوت الأرواح في الأزل بحسب صنوفها ومراتبها في القرب والبُعد، فتتفاوت الأمزجة بحسبها في الأبد لتتصل بها. والأبدان المتناسلة بعضها من بعض متشابهة في الأمزجة على الأكثر، اللهمّ إلا لأمور عارضة اتفاقية، فكذلك الأرواح المتصلة بها متقاربة في الرتبة، متناسبة في الصفة. وهذا مما يقوي أن المهديّ عليه السلام من نسل محمد صلى الله عليه وسلم. **تفسیر ابن عربیؒ** (ص-۱۰۹-۱۱۰)

ترجمہ: بعض کی ذریت بعض سے ہے، دین اور حقیقت میں، اس لئے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں۔صوری اور معنوی۔اور ہر پیغمبر توحید و معرفت میں اور دین کے ان اصول میں جنکا تعلق باطن سے ہوتا ہے دوسرے پیغمبر کی اتباع کرتا ہے۔پس وہ اسکا بیٹا

ہے۔ جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں مشائخین کی اولاد، اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ باپ تین ہوتے ہیں ایک وہ باپ جس سے تو پیدا ہوا، دوسرا وہ باپ جو تیری تربیت کرے، تیسرا وہ باپ جو تجھے علم سکھائے۔ پس جسطرح ولادت صوری میں بدن کا وجود ماں کے رحم میں اسکے باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ولادت حقیقیہ میں قلب کا جود نفس کی استعداد کے رحم میں شیخ (مرشد) اور استاذ کے پھونکنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی ولادت کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ آسمانوں کی بادشاہت میں وہ انسان ہر گز داخل نہ ہو گا جو دو مرتبہ پیدا نہ ہو۔ جان لو کہ ولادت معنویہ تناسل میں اکثر و بیشتر ولادت صوریہ کے تابع ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام ظاہر میں ایکدوسرے کی نسل سے ہیں۔ پھر ایک درخت کے پھل ہیں۔ کیوں کہ عمران بن یصھر جو موسیٰ اور ہارون کے باپ ہیں، لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ اور عمران بن ماثان جو عیسیٰ کی ماں مریم کے باپ ہیں۔ یہود بن یعقوب کی نسل سے ہیں اور محمد ﷺ کا اسماعیل بن ابراہیم کی نسل سے ہونا مشہور ہے۔ اور اسی طرح ابراہیم کا نوحؑ کی اولاد سے ہونا مشہور ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ روح، صفائی اور کدورت میں بوقت تکوّن موافق ہوتی ہے۔ ہر مزاج کے اعتدال اور عدم اعتدال سے۔ پس ہر روح کیلئے ایک مناسب اور مخصوص مزاج ہوتا ہے۔ اس لئے کہ فیض مناسبت کے لحاظ سے پہنچتا ہے۔ اور ارواح ازل میں صنف کے اعتبار سے اور قرب و بعد میں ان کے مراتب کے اعتبار سے متفاوت و مختلف ہیں، پس ابد میں ان کے مزاج اسی کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ تا کہ ان سے متصل ہو سکیں۔ اور ابدان جو نسل کے اعتبار سے ایکدوسرے سے نکلے ہیں۔ اکثر مزاجوں میں مشابہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ کہ کوئی عارضی اور اتفاقی امر لاحق ہو جائے۔ اسی طرح وہ ارواح بھی جو، ان ابدان سے متصل ہوتے ہیں مرتبوں میں متقارب اور صفات میں متناسب ہوتے ہیں۔ اور اسی سے یہ بات بھی قوی ہوتی ہے کہ مہدی علیہ السلام محمد ﷺ کی نسل سے ہیں۔

﴿الأعراف: ٥٤﴾

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ﴿الأعراف: ٥٤﴾

ترجمہ: بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

تفسیر ابن عربیؒ: أي: اختفى في صور سماء الأرواح وأرض الأجساد في ستة آلاف سنة لقوله تعالى وَإِنَّ يَوْماً عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿الحج: ٤٧﴾ أي: من لدن خلق آدم إلى زمان محمد عليهما الصلاة والسلام لأن الخلق هو اختفاء الحق في المظاهر الخلقية وهذه المدة من ابتداء دور الخفاء إلى ابتداء الظهور الذي هو زمان ختم النبوّة وظهور الولاية، كما قال صلى الله عليه وسلم:" إنّ الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله فيه السموات والأرض"، لأن ابتداء الخفاء بالخلق هو انتهاء الظهور، فإذا انتهى الخفاء إلى الظهور عاد إلى أول الخلق كما مرّ، ويتم الظهور بخروج المهدي عليه السلام في تتمة سبعة أيام ولهذا قالوا: مدة الدنيا سبعة آلاف سنة. تفسیر ابن عربیؒ (ص۲۴۰)

ترجمہ: یعنی چھپ گیا ارواح کے آسمانوں اور اجسام کی زمین کی صورتوں میں چھ ہزار سال میں، جیسا کہ اللہ کا قول ہے ”اور بے شک ایک دن تمہارے رب کے نزدیک تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے مانند ہے“، یعنی آدم کی تخلیق سے لیکر محمد ﷺ کے زمانے تک (چھ ہزار سال کی مدت ہے) کہ خلق کے معنی تخلیقی مظاہر میں حق کا روپوش ہو جانا ہے۔ اور یہ مدت روپوش ہونے کے دور کی ابتداء سے اس ظہور کی ابتداء تک ہے جو کہ نبوت کے ختم ہونے اور ولایت کے ظہور ہونے کا زمانہ ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بے شک زمانہ گردش کھایا اس دن کی ہیئت کے مانند جس میں اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ایک دور پورا کیا، اس لئے کہ خلق کے ذریعہ ابتداء خفا ہی انتہاء ظہور ہے، پس جب خفا ظہور تک پہنچ جائیگا، تو پھر اول خلق کی طرف لوٹ آئیگا، جیسا کہ اوپر گذرا، اور مہدی علیہ السلام کے خروج سے ظہور تمام اور تام ہو جائیگا۔ سات دنوں کے پورے ہونے میں، اسی وجہ سے لوگوں نے کہا کہ دنیا کی مدت سات ہزار برس کی ہے۔

﴿الأعراف:۱۸۷﴾

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ﴿الأعراف: ١٨٧﴾

ترجمہ: لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی، آپ کہدو کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ہے، نہیں ظاہر کریگا اسکے وقت کو کوئی سوائے اس کے۔

تفسیر ابن عربیؒ: المراد بالساعة: وقت ظهور القيامة الكبرى، أي: الوحدة الذاتية بوجود المهدي ولا يعلم وقتها إلا الله كما قال النبيّ عليه الصلاة والسلام في وقت خروج المهدي" :كذب الوقاتون"، ولعمري ما يعلمها عند وقوعها أيضاً إلا الله كما هي قبل وقوعها (تفسیر ابن عربیؒ۔ الجزء الاول، ص۔۲۴۹)

ترجمہ: مراد ساعت سے قیامت کبریٰ کے ظہور کا وقت ہے۔ یعنی مہدی کے وجود کے ذریعہ وحدۃ ذاتیہ کے ظہور کا وقت ہے اور سوائے خدا کے اسکے وقت کو کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مہدی کے خروج کے وقت کے بارے میں ”وقت کا اندازہ کرنے والوں نے جھوٹ کہا ہے“، قسم ہے میری، نہیں جانتا قیامت کو اسکے وقوع کے وقت میں کوئی سوائے اللہ کے، جسطرح کہ اس کے وقوع کے پہلے نہیں جانتا۔

شرح: من جملہ دیگر امور کے حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت کا علم بھی اللہ نے اپنے پاس ہی رکھا، جسطرح کہ قیامت کے واقع ہونے کا علم بھی اللہ کے پاس ہی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیز اہم اور امتحانی ہوتی ہے اس کو طشت از بام نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿لقمان: ٣٤﴾

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور (وہی) جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا وہ کل کیا کمائیگا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور خبر دار ہے۔

روایت میں ہے کہ وارث بن عمر نامی ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا "اے محمد۔ قیامت کب قائم ہو گی؟، ہمارے شہروں میں قحط سالی ہے، شادابی کب ہو گی؟ میری بیوی حاملہ ہے، کیا جنے گی؟ میں جانتا ہوں میں نے آج کیا کمایا، میں کل کیا کماؤں گا؟ میں جانتا ہوں کہاں پیدا ہوا، پس کس سر زمین میں مروں گا؟ تو اللہ نے ان سوالات کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

اسی طرح قیامت کب واقع ہو گی اس کا یقینی علم بھی صرف اللہ کو ہی ہے۔ ہاں اللہ نے اپنے فضل سے اگر کسی کو مطلع کر دے تو وہ بھی جان سکتا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو اسکی موت کا وقت بھی معلوم نہیں ہے۔

ہاں ان چیزوں کے واقع ہونے کے بارے میں کچھ علامات ہیں، ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ علامات جو قرآن اور احادیث کے ذریعہ بتائی گئی ہیں۔
(۲) اور کچھ وہ، جنھیں تجربوں کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے، جیسے بادلوں کے آنے سے بارش کا علم، مہلک امراض اور عمر کی زیادتی سے موت کی قربت کا علم وغیرہ۔

قیامت کے بارے میں تو صاف کہا گیا ہے کہ اس کے وقوع کا علم صرف اللہ کو ہے۔ البتہ اشراط الساعۃ قرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں اور احادیث میں بھی۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ اسی طرح جس طرح کہ خود رسول اللہ ﷺ کی بعثت علامات قیامت میں سے ہے، جو پہلی بھی ہے اور بڑی بھی۔

رسول اللہ ﷺ نے تو تین بڑی باتیں بیان فرمادیں یعنی "پہلے میں ہوں، درمیان میں مہدی ہیں جو فاطمہ کی اولاد سے ہیں، اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہیں۔ ان کے درمیان ایک ٹیڑھی جماعت ہو گی، جو نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ لیکن لوگ یہ چاہتے ہیں کہ سَن، تاریخ، اور وقت بھی معلوم ہو جائے، تو وہ ایمان لائیں گے۔ جب ختمی مرتبت حضور محمد ﷺ کے بارے میں وہ طریق اختیار نہیں کیا گیا تو حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور قیامت کے وقوع کے تعلق سے کس طرح اختیار کیا جاسکتا تھا۔ پھر بھی آنحضرت ﷺ نے اپنی امت پر شفقت فرماتے ہوئے، بہت سی باتیں بیان فرمادیں۔ یعنی یہ کہ

مہدی کا آنا برحق ہے۔ان کی بعثت کے بغیر دنیا ختم نہیں ہو گی،وہ میری آل سے ہے،فاطمہ کی اولاد سے ہے۔ان کا نام میرا نام ہو گا،ان کے والد کا نام میرے والد کا نام ہو گا،ان کی والدہ میری والدہ کی ہم نام ہوں گی،ان کے اخلاق میرے اخلاق ہوں گے۔وہ میری سیرت پر چلیں گے اور میری سیرت کی اتباع میں خطا نہیں کرینگے وغیرہ۔

﴿ابراهيم: ٢١﴾

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿ابراهيم: ٢١﴾

ترجمہ: اور وہ سب کے سب اللہ کے سامنے ظاہر ہوں گے۔

تفسیر ابن عربیؒ: للخلائق ثلاث برزات، برزة عند القيامة الصغرى بموت الجسد وبروز كل أحد من حجاب جسده إلى عرصة الحساب والجزاء، وبرزة عند القيامة الوسطى بالموت الإرادي عن حجاب صفات النفس والبروز إلى عرصة القلب بالرجوع إلى الفطرة، وبرز عند القيامة الكبرى بالفناء المحض عن حجاب الأنية إلى فضاء الوحدة الحقيقية وهذا هو البروز المشار إليه بقوله تعالى: وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴿ابراهيم: ٤٨﴾، ومن كان من أهل هذه القيامة يراهم بارزين لا يخفى على الله منهم شيء. وأما ظهور هذه القيامة للكل وبروز الجميع لله، وحدوث التقاول بين الضعفاء والمستكبرين، فهو بوجود المهديّ القائم بالحق، الفارق بين أهل الجنّة والنار عند قضاء الأمر الإلهي بنجاة السعداء وهلاك الأشقياء.
تفسیر ابن عربیؒ (ص-۳۴۵)

ترجمہ: خلائق کیلئے تین ظہور ہوں گے، ایک ظہور قیامت صغریٰ کے دن جسد کی موت کی وجہ سے ہو گا،اور ہر ایک کا ظہور اپنے جسد کے حجاب سے حساب اور جزاء کے میدان میں ہو گا۔اور ایک ظہور قیامت وسطیٰ کے وقت نفس کے صفات کے حجاب سے ارادی موت کی وجہ ہو گا۔اور قلب کے میدان کی جانب ظہور فطرت کی جانب رجوع سے ہو گا،اور ایک ظہور قیامت کبریٰ کے وقت حجاب انیت (خودی) کی فناء محض سے وحدت حقیقیہ کی فضا میں ہو گا اور یہی وہ ظہور ہے جسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے اللہ کے قول "وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" میں،اور جو شخص اس قیامت کا اہل ہو گا وہ ان کو علانیہ ظہور پاتے ہوئے دیکھے گا،اسطرح اللہ پر ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو گی، لیکن کل کیلئے اس قیامت کا ظہور اور اللہ کیلئے سب کا ظہور اور ضعیفوں اور بڑائی کا دعویٰ کرنے والوں کے درمیان تقاول سو وہ "اس مہدی کے وجود سے ہو گا،جو قائم بالحق ہو گا،جو اہل جنت اور اہل نار کے درمیان فرق کرنے والا ہو گا جب نیکوں کی نجات اور شقیوں کی ہلاکت کے تعلق سے امر الٰہی کا فیصلہ ہو گا"۔

﴿النحل:۱﴾

أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ﴿النحل: ١﴾

ترجمہ: اللہ کا حکم (عذاب) آچکا ہے، پس تم اس کے تعلق سے جلدی نہ کرو۔

تفسیر ابن عربیؒ: {أتى أمرُ الله} لما كان صلى الله عليه وسلم من أهل القيامة الكبرى يشاهدها ويشاهد أحوالها في عين الجمع، كما قال صلى الله عليه وسلم " بُعِثْتُ أنا والساعة كهاتين" أخبر عن شهوده بقوله تعالى: {أتى أمر الله} ولما كان ظهورها على التفصيل بحيث تظهر لكل أحد لا يكون إلا بوجود المهدي عليه السلام قال: {فلا تستعجلوه}

تفسیر ابن عربیؒ، جزء اول ص ۳۵۳

ترجمہ: اللہ کا امر آچکا، جب آنحضرت ﷺ اہل قیامت کبریٰ سے ہونے کے سبب۔ مقام عین الجمع میں قیامت اور اسکے احوال کا مشاہدہ فرمارہے تھے (جیسا کہ آپؐ نے فرمایا "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح پیدا ہوئے ہیں) آپؐ نے قیامت کے تعلق سے اپنے مشاہدہ کی خبر ان الفاظ میں دی " أتي أمرُ الله " ، یعنی امر اللہ آگیا۔ اور چونکہ اسکا تفصیل کے ساتھ ظاہر ہونا اسطرح پر کہ وہ ہر ایک پر ظاہر ہوجائے تو وہ صرف "مہدی علیہ السلام کے وجود کے ساتھ ہوگا"۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "اسکے تعلق سے جلدی مت کرو۔

واضح ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے القاب میں سے ایک لقب "امر اللہ" بھی ہے۔ اور چونکہ علم الٰہی میں امر اللہ کا آنا قطعی اور یقینی تھا اس لئے بجائے صیغہء مضارع کے صیغہ ماضی کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ قیامت اور اس کے احوال، نیز حشر و نشر، ثواب و عذاب کے تعلق سے قرآن شریف میں جو آیتیں آئی ہیں۔ ان میں ماضی کا صیغہ ہی لایا گیا ہے۔ صرف اس لئے کہ جو بیان کیا گیا ہے اس کا واقع ہونا حتمی، ضروری اور یقینی ہے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

(۱) نُفِخَ فِي الصُّورِ ﴿المؤمنون: ١٠١﴾ یعنی صور پھونکا گیا، ماضی کا صیغہ لایا گیا، لیکن ترجمہ و تفسیروں میں اس کا ترجمہ "صور پھونکا جائیگا" ہے۔

(۲) وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ﴿الزمر: ٧١﴾ میں "سِيقَ" ماضی مجہول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کافروں کو گروہ گروہ بناکر جہنم کی طرف کھینچا گیا۔ لیکن چونکہ قیامت کا آنا برحق ہے اور اسی طرح کافروں کے ساتھ مذکورہ سلوک بھی یقینی ہے، تو اللہ نے بجائے مضارع کے صیغوں کے، ماضی کے صیغے استعمال فرمائے ہیں۔

اسی طرح مہدی موعودؑ کا آنا رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اعتبار سے اگرچہ مستقبل کی بات ہے لیکن آمد مہدیؑ برحق اور یقینی ہے اس لئے اللہ نے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔

اس موقع پر اگر یہ کہا جائے کہ امر اللہ سے مراد قیامت یا اس کا عذاب لیا گیا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت اور اس کے متعلق احوال کا تفصیلی مشاہدہ کے بعد میں ہی یہ فرمایا ہے یعنی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی مہدی علیہ السلام بھی

ہے۔ لیکن اس کے ظہور کے تعلق سے جلدی مت کرو۔ اللہ اپنے علم کے مطابق اسکو مبعوث کریگا۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اور قیامت اس طرح پیدا ہوئے ہیں اور یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنی کلمہ کی انگلی (جس کو عربی میں "سبابة" کہا جاتا ہے) اور درمیانی انگلی کو ملا کر بتلایا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خود قیامت کی ایک اہم نشانی ہیں اور حضرت مہدی موعودؑ بھی آپؐ کے بعد ایک نشانی ہیں، ایسی نشانی کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیا ختم ہونے میں ایک دن بھی باقی رہیگا تو اللہ اس کو اتنا دراز کریگا کہ اس میں میری اہل بیت میں سے ایک ہستی کو مبعوث کریگا، جو اس امر (خلافت الٰہی و دعوت الی اللہ) کا والی ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دسویں صدی کے سرے پر حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپؑ نے ۹۰۱ھ میں مکہ مکرمہ میں رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان "مہدی موعود" ہونے کا دعویٰ اللہ کے حکم سے فرمایا۔

﴿الإسراء: ۷۹﴾

عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴿الإسراء: ۷۹﴾

ترجمہ: قریب ہے کہ تیرا رب تجھکو مقام محمود عطا کریگا۔

تفسیر ابن عربیؒ: أي: في مقام يجب على الكل حمده وهو مقام ختم الولاية بظهور المهدي، فإن خاتم النبوّة في مقام محمود من وجه هو جهة كونه خاتم النبوة غير محمود من وجه هو جهة ختم الولاية، فهو من هذا الوجه في مقام الحامدية فإذا تم ختم الولاية يكون في مقام محمود من كل وجه. تفسیر ابن عربیؒ (ص۔۳۸۲)

ترجمہ: مقام محمود یعنی وہ مقام جہاں سب پر اسکی تعریف واجب ہوگی اور وہ مقام ختم الولایت ہے، جس کا ظہور مہدی کے ذریعہ ہوگا، اس لئے کہ خاتم نبوت ایک مقام ہے ایک جہت سے محمود ہے۔ اور وہ جہت آپ کا خاتم نبوت ہونا ہے اور ایک جہت سے غیر محمود ہیں اور وہ جہت خاتم الولایت ہے، پس وہ اس جہت سے مقام حامدیت میں ہیں اور جب ولایت ختم ہوگی تو ہر جہت سے وہ مقام محمود میں ہوں گے۔

یعنی نبوت بھی آپؐ کی ہے اور ولایت بھی آپؐ کی ہے۔ لیکن آپ ﷺ نبوت کے خاتم ہیں۔ یعنی آپؐ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا۔ آپؐ کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کریگا تو وہ کافر ہے۔ رہی آپ ﷺ کی ولایت، تو اس کے خاتم "مہدی موعود" ہوں گے۔

جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "وہ (مہدی) آخر زمانے میں دین کو قائم کریں گے۔ جیسا کہ میں نے اول زمانے میں اس کو قائم کیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: یقوم به الدین في آخر الزمان كما قمت به في اول الزمان۔

اسی طرح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدیؑ سے دین کو ختم کریگا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ یختم اللہ بہ الدین۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ختم ولایت کا نظریہ سب سے پہلے شیخ محمد بن علی حکیم ترمذی (۳۲۰ھ مطابق ۹۳۲ء) نے پیش کیا۔ انہوں نے ”ختم الاولیاء“ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی (مطالعہ تصوّف، ص ۶۵۔ ڈاکٹر غلام قادر لون)

نوٹ: شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی المعروف بہ حکیم ترمذی کا شمار بلند پایہ مشائخ میں ہوتا ہے ’۔طریقہء حکیمیہ‘ آپ سے ہی منسوب ہے۔ تصوّف میں آپ نادرۂ روزگار مجتھد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ”ختم الاولیاء“ اور نوادر الاصول“ ان کی تصنیفات میں مشہور ہیں۔ ”ختم الاولیاء“ ۱۹۶۵ء میں بیروت سے شائع ہوئی۔

(نفحات الانس، ص ۴۷۔ تذکرۃ الاولیاء باب ۵۸، ص ۲۸۴۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ، ص ۱۲۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۲: ۲۴۵۔ حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۲۳۳۔ الطبقات الکبریٰ، ص ۱: ۹۱)

﴿الکھف: ۱۲﴾

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ﴿الکھف: ۱۲﴾

ترجمہ: پھر ہم نے ان کو جگا اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں جماعتوں میں کونسی جماعت ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے۔

تفسیر ابن عربیؒ: {أيّ الحزبين} احصیٰ المختلفين في مدة لبثهم وضبط غايته الذين يعينون المدة أم يكلون علمه إلى الله، فإن الناس مختلفون في زمان الغيبة. يقول بعضهم: يخرج أحدهم على رأس كل ألف سنة وهو يوم عند الله، لقوله: وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿الحج: ٤٧﴾ ويقول بعضهم: على رأس كل سبعمائة عام أو على رأس كل مائة، وهو بعض يوم، كما قالوا: لَبِثْنَا يَوْماً أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ﴿الكهف، الآية: 19﴾ والمحققون المصيبون هم الذين يكلون علمه إلى الله كالذين قالوا: رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ﴿الكهف، الآية: 19﴾ ولهذا لم يعين رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت ظهور المهديّ عليه السلام، وقال: "كذب الوقّاتون". تفسیر ابن عربیؒ۔ (۳۹۴۔۳۹۵)

ترجمہ: یعنی دونوں جماعتوں سے مراد ان کے سونے کی مدت اور اسکے مقصد ضبط میں اختلاف کرنے والے وہ لوگ ہیں جو یا تو اس مدت کو معین کرتے ہیں یا پھر اس کے علم کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں، اسلئے کہ لوگ غیبت کے زمانے کے بارے میں مختلف الخیال ہیں، بعض یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک ہزار سال کے راس پر نکلے گا۔ جو کہ اللہ کے پاس کا ایک دن ہے، جیسا کہ اللہ کا قول ہے، اور ایک دن تیرے رب کے پاس تمہاری گنتی کے ہزار سال کے مانند ہے، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہر سات سو سال پر یا ہر سو سال پر نکلے گا، جو اک دن یا اک دن کا بعض حصّہ ہے، جیسا کہ انہوں نے کہا، ہم ٹھہرے رہے ایک دن یا ایک دن کا بعض

حصہ۔ محققین اور صحیح بات کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اس کے علم کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں، ان لوگوں کے قول کی طرح جو یہ کہتے ہیں ''تمہارا پروردگار تمہارے ٹھہرنے یا سونے کی مدت کو بہتر جانتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ''مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت کا تعین نہیں فرمایا'' اور یہ کہا ''وقت مقرر کرنے والوں نے جھوٹ کہا ہے''۔

واضح ہو کہ حضور محمد ﷺ نے بعثت مہدی موعود علیہ السلام کا کوئی خاص وقت بیان نہیں فرمایا۔ اگرچہ کہ بعثت مہدی علیہ السلام کے تعلق سے تین سو سے زیادہ احادیث ملتی ہیں۔ لیکن وقت کا تعین نہیں فرمایا۔ البتہ ایک دو راویوں سے اس سلسلے میں جو احادیث مروی ہیں بعض معاندین نے ان کو بنیاد بنا کر، ان کے غلط اور من مانی معنی پہنا کر حضرت امامنا سید محمد جونپوری مہدی موعود علیہ السلام کے زمانۂ بعثت کو جو دسویں صدی کے اوائل میں یعنی ۹۰۱ھ ہے، جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔ جو بالکل حقیقت سے دور ہے۔

چنانچہ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے، جو درج ذیل ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - "يَقْتَتِلُ عِنْدَ كَنْزِكُمْ ثَلاَثَةٌ كُلُّهُمُ ابْنُ خَلِيفَةٍ ثُمَّ لاَ يَصِيرُ إِلَى وَاحِدٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّايَاتُ السُّودُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَيَقْتُلُونَكُمْ قَتْلاً لَمْ يَقْتُلْهُ قَوْمٌ" ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئًا لاَ أَحْفَظُهُ فَقَالَ "فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَبَايِعُوهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَإِنَّهُ خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمَهْدِيُّ" (سنن ابن ماجه)

ترجمہ: ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہارے کنز کے پاس تین آدمی کارزار کریں گے۔ تینوں خلیفے کے بیٹے ہوں گے۔ پس وہ کنز کسی ایک کا بھی نہ ہوگا۔ پھر سیاہ جھنڈے مشرق کی جانب سے طلوع ہوں گے۔ وہ تمہیں ایسا قتل کریں گے کہ کسی قوم نے دوسری قوم کو اسطرح قتل نہ کیا ہوگا۔ پھر کچھ ذکر کیا جو مجھے یاد نہیں ہے۔ پس جب تم اسے دیکھو تو اس سے بیعت کرو، اگرچہ تم کو برف پر رینگنا پڑے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔

اس روایت کی صحیح ترین توضیح اس طرح ہے۔ کنز سے مراد خلافت ہے، نہ کہ مال و دولت کا خزانہ۔ اس خلافت کیلئے خلیفہ کے جن تین فرزندوں نے (کارزار) جدوجہد کی، وہ اسطرح ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی شہادت کے بعد،

(۱) امام حسنؓ نے خلافت حاصل کی، لیکن امیر معاویہ سے جنگ کرنی پڑی، آخر کار امام حسنؓ کو خلافت سے دستبردار ہونا پڑا۔

(۲) امام حسینؓ نے یزید کے مقابل جدوجہد کی، میدان کربلا میں آپؓ شہید کر دئے گئے۔ آپؓ کو بھی خلافت حاصل نہیں ہوئی۔

(۳) اسی طرح مختار نے بنی امیہ سے جو مقابلہ کیا وہ محمد بن حنفیہ سے منسوب ہوگا کہ مختار ان کو مہدی سمجھتا تھا۔ اور یہ چاہتا تھا کہ خلافت ان کو حاصل ہو جائے، لیکن مختار مارا گیا۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ مختار خود خلافت کا دعویدار نہیں تھا، بلکہ محمد بن حنفیہ کی خلافت کیلئے بطور نائب لڑتا تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ خلیفہ یعنی حضرت علیؓ کے تینوں بیٹوں یعنی امام حسنؓ، امام حسینؓ اور محمد بن حنفیہؓ نے امر خلافت کیلئے کارزار کیا۔ لیکن امر خلافت ان تینوں میں سے کسی کے ہاتھ نہ آیا۔

اسکے بعد مشرق سے کالے جھنڈوں کے نکلنے کی بات ہے۔اس سے مراد بنی عباس کی خلافت کا ظہور ہے،اس تحریک کا آغاز خراسان سے ہوا۔اور خراسان عرب کے مشرق میں ہے۔سیاہ جھنڈے حکومت بنو عباس کا شعار رہے۔بنو عباس کے حامیوں نے بنی امیہ کو چن چن کر قتل کیا۔

اس کے بعد راوی کا بیان ہے کہ کچھ ذکر کیا گیا،لیکن راوی کو وہ یاد نہیں ہے۔اس کے بعد پھر فرمایا،"ثم یجیء خلیفۃ اللہ المھدی فاذا سمعتم به فاتوه فبایعوه الی آخر۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع رایات سود کے "بعد" مہدی کا ظہور ہوگا۔رایات کے "ساتھ" نہیں ہوگا۔

اور عربی میں لفظ "ثم" تراخی بعیدہ (دور کی مدت) کیلئے لایا جاتا ہے۔پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کی تحریک کے کافی عرصے کے بعد یعنی تقریباً سات سو سال بعد حضرت مہدی علیہ السلام کی ولادت ہوئی،اور ۹۰۱ھ میں آپؑ نے مکہ مکرمہ میں مہدی ہونے کا دعویٰ فرمایا۔

اور اس روایت میں مہدی علیہ السلام کا مقام و مرتبہ بھی بتلایا گیا ہے کہ مھدی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔

اس حدیث کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے بعثت مہدی موعود کا وقت اشاروں میں بیان فرمایا ہے۔اس سے ہٹ کر جن لوگوں نے اپنے طور پر از راہ قیاس یا از راہ عناد جو وقت مقرر کر لیا ہے،تو حضورؐ نے ان کے تعلق سے فرمایا "کذب الوقّاتون" یعنی وقت مقرر کرنے والوں نے جھوٹ (غلط) کہا ہے۔

﴿القصص: ۷۵﴾

وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا﴿القصص: ۷۵﴾

ترجمہ: اور ہم نکالیں گے ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا۔

تفسیر ابن عربیؒ: أي: نُخْرج يوم القيامة عند خروج المهدي من كل أمّة نبيهم هو أعرفهم بالحق {فقلنا} على لسان الشهيد الذي يشهد الحق بشهود الكل ولا يحتجب بهم عنه {هاتوا برهانكم} على ما أنتم عليه أحق هو أم لا؟ فعجزوا عن آخرهم وظهر برهان النبيّ {فعلموا أن الحق لله} أظهره مظهر الشهيد {وضلّ عنهم} مفترياتهم من المذاهب المختلقة والطرق المتشعبة المتفرّقة. أو قلنا للشهداء. {هاتوا برهانكم} بإظهار التوحيد، فأظهروا، فعلموا أن الحقّ لله. **تفسیر ابن عربیؒ۔** جزء ثانی، ص ۱۲۰۔

ترجمہ: یعنی ہم قیامت کے دن مہدی علیہ السلام کے خروج کے وقت ہر امت میں سے ان کے نبی کو نکالیں گے، اس لئے کہ وہ حق کو ان میں سب سے زیادہ جاننے والا ہو گا، پھر ہم اس شہید (گواہ) کی زبان سے جو کہ حق کی گواہی دیگا، سب کے سامنے اور ان کی وجہ سے حق سے محجوب نہ ہو گا، یہ کہلائیں گے تم جس حالت پر ہو، اسپر دلیل لاؤ (تاکہ ہم دیکھیں) کہ وہ حق ہے یا نہیں، پس وہ سب کے سب دلیل پیش کرنے سے عاجز آجائیں گے اور نبی کی دلیل ظاہر ہو گی۔ پس وہ جان لیں گے حق اللہ کیلئے ہے۔ یہاں اسکے اظہار کو گواہ کے اظہار کی طرح بیان کیا ہے۔ اور مختلف مذاہب اور متفرق اور گوناگوں طریقوں میں جو من گھڑت اصول اور احکام پیدا ہو گئے تھے وہ سب کے سب دھرے رہ جائیں گے۔ یا ہم گواہوں سے کہیں گے کہ تم اپنی دلیل لاؤ (تو وہ اپنی دلیلیں ظاہر کریں گے) پس وہ (تمام امتی) جان جائیں گے کہ حق اللہ کیلئے ہے۔

اگر یہاں یہ سوال ہو کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدی موعود علیہ السلام کے بارے میں، صرف امت محمدیہ ﷺ سے ہی نہیں بلکہ ہر پیغمبر کی امت سے سوال کریگا کہ "کیا تمہاری کتابوں اور صحائف میں مہدی علیہ السلام کا ذکر موجود ہے، یعنی آپ کے تعلق سے پیشین گوئی آئی ہے؟" تو اس کا جواب یہ ہے:

چنانچہ کعب احبار سے مروی ہے کہ میں امام مہدیؑ کا ذکر انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں پاتا ہوں۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: "إنّي لَأجِدُ المهدي مكتوباً في اسفار الانبياء" اور ایک روایت میں " إنّي لَأجِدُ اسم المهدي مكتوباً في اسفار الانبياء" آیا ہے۔

نیز سالم اشل سے بھی مروی ہے کہ "امام مہدیؑ کا ذکر تورات میں ہے"۔

اسی طرح جہاں فارقلیط کی خبر دی گئی ہے اس سے بھی مہدی علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے: نحن ناتيكم بالتنزيل واما التاويل فسياتي به الفارقليط في آخرالزمان (سراج ابصار) یعنی ہم تمہارے پاس تنزیل لے کر آئے ہیں، لیکن تاویل آخر زمانے میں فارقلیط لیکر آئیگا۔

یہاں "ہم" سے مراد تمام انبیاء ہیں اور تنزیل سے مراد تمام کتابیں اور صحیفے ہیں، اور خود آنحضرت ﷺ بھی من جملہ تمام صاحبان کتب کے، صاحب تنزیل الکتاب ہیں۔ البتہ فارقلیط کے تعلق سے کہا گیا ہے۔ کہ وہ "صاحب تاویل" یعنی "صاحب بیان" ہو گا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ارشاد فرمانے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور حضرت محمد ﷺ بھی صاحب کتاب ہیں۔ پس ان تمام کتابوں کا صحیح ترین بیان جو عقل، قیاس، بادشاہوں کی مروّت وغیرہ سے بری ہو اور فقط من جانب اللہ بلاواسطہ ہو، مہدی علیہ السلام سے ہی ہو گا۔

﴿الروم:۱۱﴾

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿الروم: ١١﴾

ترجمہ: اللہ خلقت کو پہلی بار بناتا ہے، وہی پھر اسکو پیدا کریگا، پھر تم سب اسکی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر ابن عربیؒ: {الله يبدأ الخلق} بإظهار الفرس على الروم {ثم يُعيدُه} بإظهار الروم على الفرس {ثم إليه ترجعون} بالفناء فيه.{ويوم تَقُوم الساعة} بوقوع القيامة الصغرى {يبلس المجْرمون} عن رحمة الله وتحيّرهم في العذاب، غير قابلين للرحمة، أو القيامة الكبرى بظهور المهديّ وقهرهم تحت سطوته وحرمانهم من رحمته، وحينئذ يتفرّق الناس بتميز المؤمن عن الكافر. تفسیر ابن عربیؒ۔ ص:۱۳۰، جزء الثانی۔

ترجمہ: اللہ خلقت کو پہلی بار بناتا ہے، فارسیوں کو روم پر غلبہ دیتے ہوئے، پھر اس کا اعادہ کرتا ہے، رومیوں کو فارسیوں پر غلبہ عطا کرتے ہوئے، پھر تم سب کے سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اس میں فنا ہوتے ہوئے اور جس دن قیامت قائم ہو گی یعنی قیامت صغریٰ واقع ہو گی تو مجرمین مایوس ہو جائیں گے اللہ کی رحمت سے اور عذاب میں ان کی حیرت سے کہ وہ رحمت کے قابل نہیں ہیں۔ یا قیامت کبریٰ مہدی علیہ السلام کے ظہور کی وجہ سے اور غلبہ کے تحت ان کا مقہور ہونا اور اسکی مہربانی سے ان کا محروم ہونا اور ایسے وقت میں لوگ مومن اور کافر کی تمیز کے سبب متفرق ہو جائیں گے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے رومیوں پر فارسیوں کو غلبہ عطا فرمایا۔ پھر اس کے بعد فارسیوں پر رومیوں کو غالب فرمایا۔ اسی طرح حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت کے بعد، آپؑ کے ماننے والوں کو دلیل اور حجت کے اعتبار سے غلبہ عطا فرمائے گا، تو انکار کرنے والے حق کی عطا یعنی نعمت دیدار خدا سے محروم ہونے کے سبب مایوس بھی ہوں گے۔ اور اس کی عظیم رحمت کے مستحق اور نا قابل ہونے کے سبب جو عذاب ہو گا، اس سے متحیر بھی ہوں گے اور انکار مہدی موعود کی وجہ اللہ کے پاس ماخوذ بھی ہوں گے اور حسب فرمان رسول اللہ ﷺ "من انکر المهدي فقد كفر" مومنوں کے زمرہ سے الگ ہو جائیں گے۔

﴿السجدۃ:۴﴾

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ﴿السجدة: ٤﴾

ترجمہ: وہ اللہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اسکو چھ دنوں میں۔

تفسیر ابن عربیؒ: { اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا } باحتجابه بها في الأيام الستة الإلهية التي هي مدة دور الخفاء من لدن آدم عليه السلام إلى دور محمد عليه الصلاة والسلام {ثم استوى} على عرش القلب المحمدي للظهور في هذا اليوم الأخير الذي هو جمعة تلك الأيام بالتجلي بجميع صفاته، فإن استواء الشمس هو كمال ظهورها

في الإشراق ونشر الشعاع، ولهذا قال عليه السلام:" بُعِثْتُ في نَسَم الساعة"، فإن وقت بعثته طلوع صبح الساعة ووسط نهار هذا اليوم وقت ظهور المهدي عليه السلام، ولأمر ما استحبّ قراءة هذه السورة في صبح يوم الجمعة. تفسیر ابن عربیؒ۔(ص،۱۳۷۔جلد ثانی)

ترجمہ: یعنی چھ الٰہی دنوں میں جو کہ آدم علیہ السلام سے لیکر محمد ﷺ کے دور تک کی خفا کے دور کی مدت ہے، پھر مستوی ہو گیا عرش قلب محمدی پر تا کہ اس آخیر دن میں جو کہ ان دنوں کا جمعہ کا دن ہے، اپنے تمام صفات کی تجلیوں کے ساتھ ظاہر ہو، اس لئے کہ آفتاب کا استواء چمکنے میں اور شعاع کو پھیلانے میں اسکے ظہور کا کمال ہوتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں مبعوث ہوا ہوں قیامت کے اول حصے میں" اس لئے آپؐ کی بعثت کا وقت قیامت کی صبح کے طلوع کا وقت ہے۔ اور اس دن کا درمیانی وقت مہدی علیہ السلام کے ظہور کا وقت ہے، اسی وجہ سے جمعہ کے دن صبح میں اس سورۃ کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد مبارک میں اس طرح فرمایا ہے کہ۔

كيف تهلك امة انا في اولها و المهدي وسطها و المسيح آخرها ولكن بين ذلك فيج اعوج ليسوا مني ولا انا منهم(رواہ رزین)اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص۴۵۷۔

ترجمہ: وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کی ابتداء میں، میں ہوں اور مہدیؑ اس کے وسط میں اور مسیح اس کے آخر میں، لیکن اس کے درمیان غیر مستقیم لوگ ہوں گے، جو نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔

صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے "عن جعفر ای الصادق (عن ابيه اي محمد باقر (عن جدّه) اي زين العابدين علي بن الحسين بن علي بن ابي طالب رضي الله عنهم و يسمّىٰ هذا السند سلسلة الذهب **یعنی** اس حدیث کی جیسی سند کو "سلسلۂ ذھب" (سونے کی زنجیر) کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں (بھی) امت کے تین حصّے بیان کئے گئے ہیں، ایک اوّل جس میں رسول اللہ ﷺ تھے، دوسرا "وسط" جس میں مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے، اور تیسرا آخر جس میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اول اور وسط میں ایک زمانہ درکار ہے، اسی طرح وسط اور آخر میں بھی ایک زمانہ چاہئے۔ اور زمانہ بھی اتنا کہ ان کے درمیان کے لوگ غیر مستقیم ہو جائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ایک زمانے کے بعد یعنی ۸۴۷ھ میں مہدی علیہ السلام کی بعثت اور ۹۰۱ھ میں دعویٰ مہدیت، اسی طرح مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بھی ایک مدّت مدید کا ہونا ضروری ہے، تا کہ اس دور میں بھی غیر مستقیم لوگ پیدا ہو جائیں گے، جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "وہ لوگ نہ مجھ سے ہوں گے اور نہ میں ان سے"۔

پس جو لوگ مہدی اور عیسیٰ علیہما السلام کے ایک زمانے میں اجتماع کے قائل ہیں، ان کا نظریہ حقیقت سے دور ہے۔ چنانچہ علّامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھاہے کہ ”فما يقال ان عيسىٰ يقتدى بالمهدي او بالعكس شىء لا مستند له،فلا ينبغي ان يعول عليه“یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ، مہدی کی اقتداء کریں گے یا مہدی، عیسیٰ کی اقتداء کریں گے، یہ ایسی بے سند بات ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جانا چاہیئے۔

﴿السجدة: ٢٩ تا ٣٠﴾

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ ﴿السجدة: ٢٩ تا ٣٠﴾

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان نفع نہ دیگا اور نہ ان کو مہلت دے جائے گی، پس آپ ان سے چشم پوشی فرمائیں اور انتظار کریں، وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

تفسیر ابن عربیؒ: {يَوْمَ الْفَتْحِ} المطلق يوم القيامة الكبرى 'بظهور المهدي' لا ينفع إيمان المحجوبين حينئذ لأنه لا يكون إلا باللسان، ولا يغني عنهم العذاب، تفسیر ابن عربیؒ۔ جزء ثانی، ص۱۳۹۔

ترجمہ: یوم الفتح، فتح مطلق کا دن، قیامت کبریٰ کا دن ہے، مہدی علیہ السلام کے ظہور کی وجہ سے ہو گا، اس دن اور اس وقت خدا سے غافل اور محجوب لوگوں کو ان کا ایمان فائدہ نہ دیگا، اسلئے کہ وہ ایمان صرف زبان سے ہو گا اور ان کو عذاب سے نہ بچا سکے گا یا یہ کہ ان کو جو عذاب ہو گا وہ ختم نہ ہو گا۔

تشریح: اس تفسیر کے ذریعہ حضرت شیخ اکبر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بعثت ہی سے قیامت کے دن کا آغاز ہو جائے گا، اور اسی وقت سے فیصلے ہونے شروع ہو جائیں گے۔ جو لوگ زبانی ایمان اور فقط ظاہری عبارت کو ہی باعث نجات سمجھتے ہوں گے، تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کو وہ زبانی ایمان اور اخلاص سے عاری اور للّٰہیت سے خالی عبادت ان کے کام نہ آسکے گی، کیوں کہ ان کے پیش نظر صرف دنیا ہو گی اور اس کی ہوس اور جو اس میں مبتلا ہو گا وہ خود عذاب میں ہی ہو گا۔

اس کے بر خلاف مہدی علیہ السلام کی بعثت سے حقیقی اسلام دنیاوالوں کے سامنے آئیگا، جس میں ذکر، ترک دنیا، عزلت اور صحبت صادقین کے علاوہ خدا کے دیدار کی تمنا اور طلب دل و دماغ میں موجزن ہو گی اور ایمان بالمشاہدہ نصیب ہو گا۔

﴿سبأ:۲۱﴾

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ﴿سبأ: ٢١﴾

ترجمہ: اور ابلیس کو جو زور ہم نے ان پر دیا تھا، وہ اس لئے کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان لوگوں سے الگ کر کے معلوم کرلیں، جن کو اس میں (قیامت کے بارے میں) شک ہے۔

تفسیر ابن عربیؒ: أي: ما سلطناه عليهم إلا لظهور علمنا في مظاهر العلماء المحققين المخلصين وامتيازهم عن المحجوبين المرتابين، فإن المستعدّ الموفق الصافي القلب ينبع علمه من مكمن الاستعداد ويتفجر من قلبه عند وسوسة الشيطان فيرجمه بمصابيح الحجج النيّرة ويطرده بالعياذ بالله عند ظهور مفسدته الغوية بخلاف غيره من الذين اسودّت قلوبهم بصفات النفوس وناسبت بجهالاتهم مكايد الشيطان وأحوال القيامة الكبرى من الجمع والفصل والفتح بين المحق والمبطل ومقالات الظالمين كلها تظهر 'عند ظهور المهدي عليه السلام'. تفسیر ابن عربیؒ۔ جز ثانی، ص۔۱۵۳۔

ترجمہ: اور ہم نے ان شیطانوں کو ان پر جو غلبہ دیا ہے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ علماء محققین اور مخلصین کے مظاہر میں ہمارا علم ظاہر ہوجائے اور تاکہ ان میں اور اس سے غافل رہنے والوں اور شک کرنے والوں میں امتیاز ہوجائے اس لئے کہ جو صاحب استعداد، صاحب توفیق اور صاف دل کا مالک ہوتا ہے اس کے علم کا چشمہ امکانی استعداد سے پھوٹ پڑتا ہے اور اس کے دل سے جاری ہوتا ہے، شیطان کے وسوسے کے وقت تو وہ روشن دلیلوں کے چراغوں سے اس پر سنگساری کرتا ہے۔ اور گمراہ کن خرابیوں کے وقت نعوذ باللہ کرتے ہوئے اسکو دور کردیتا ہے، بر خلاف ان لوگوں کے جن کے دل نفس کی صفات کی وجہ سے کالے ہوگئے ہیں، اور شیطان کے مکائد ان کی جہالتوں سے مناسبت اختیار کرلئے ہیں اور قیامت کبریٰ کے احوال جو جمع، فصل سے متعلق ہیں اور مُحق اور مُبطل کے درمیان فیصلے اور ظالموں کے مقالات سب کے سب ''مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت ظاہر ہوجائیں گے''۔

تشریح: ویسے تو ہم نے قرآن شریف اور محمد ﷺ کے ذریعہ دین اور اس کے احکام کو بیان کردیا تھا، جن کو علماء محققین اور مخلصین نے اپنے اعمال کے ذریعہ ان کو ظاہر بھی کردیا تھا۔ بعد میں شیطان نے ان میں کے بعض لوگوں کے دلوں میں عقل اور قیاس کے ذریعہ شکوک و شبہات پیدا کردئے، لیکن جو لوگ صاحبان استعداد اور صاحبان توفیق الٰہی اور صاحبان دل ہوتے ہیں، وہ روشن دلیلوں کے چراغوں سے اس مفسدہ پرداز شیطان پر سنگ ساری بھی کرتے ہیں اور ایسے خیالات فاسدہ کے آتے ہی نعوذ باللہ پڑھتے ہوئے اللہ کی پناہ میں آجاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جن کے دل نفس امّارہ کی صفات کی وجہ سے کالے ہوگئے ہیں اور شیطانی مکائد کے جال میں پھنس کر من مانی تاویلات کا شکار ہوگئے ہیں، ان سب کی پول حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے ظہور کے بعد کھل جائے گی۔ اس طرح کہ مہدی علیہ السلام ''علم لدنّی'' کے ذریعہ قرآن کا بیان کریں گے۔ جو حذف، استثناء منقطع، حرف زائد، نسخ، جملۂ معترضہ، جملۂ مستانفہ سے پاک ہوگا اور حضور ختمی مرتبت محمد رسول اللہ ﷺ کی کامل اور بے خطا پیروی کے حامل ہوں گے، اس طرح مہدی علیہ السلام ''دور اوّل'' کے اسلام کو پیش فرمائیں گے، اس طرح حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہوجائے گا۔

﴿الزمر: ٦٨ تا ٦٩﴾

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴿الزمر: ٦٨ تا ٦٩﴾

ترجمہ: پھر اس میں دوسرا نفخہ پھونکا جائیگا، پس وہ سب دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے گی۔

تفسیر ابن عربیؒ: {ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ} عند البقاء بعد الفناء والرجوع إلى التفصيل بعد الجمع {فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ} بالحق {يَنظُرُونَ} بعينه. {وَأَشْرَقَتِ} أرض النفس حينئذ {بِنُورِ رَبِّهَا} واتّصفت بالعدالة التي هي ظلّ شمس الوحدة والأرض كلها في زمن المهدي عليه السلام بنور العدل والحق **تفسیر ابن عربیؒ۔** جزء ثانی ص ۱۹۰۔

ترجمہ: پھر اس میں دوسرا نفخہ پھونکا جائیگا، فنا کے بعد بقاء کے وقت اور جمع کے بعد تفصیل کی طرف رجوع کے وقت یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) پس وہ سب دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔
(۲) زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔
(۳) متصف ہو جائے گی زمین صفت عدالت سے اور بھری ہوئی ہو گی حق کے نور سے۔

(۱) پس وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اس سے مہدی علیہ السلام کا غلبہ اور آپؑ کا دبدبہ مراد ہے۔ چنانچہ محمد بن عمر الملکی نے اپنی تاریخ گجرات میں آپؑ کے غلبہ اور دبدبہ کی کیفیت کو اسطرح بیان کیا ہے۔

"وغير مرةٍ أحب السلطان محمود ان يراه فالتمس اركان ملكه ان لا يفعل و صرفوه عنه لانه كان له قبول يجذب زائره ويحمله علي التجرّد من الدنيا"۔

متعدد مرتبہ سلطان محمود (گجراتی) نے یہ چاہا کہ ان سے (یعنی سید محمد جونپوری سے) ملے (مگر) ارکان سلطنت نے سلطان سے التماس کی کہ وہ ان سے نہ ملے اور اسکو اس ارادہ سے باز رکھا، کیوں کہ آپ کو ایسا فیض قبول حاصل تھا کہ ملنے والے کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے اور اس کو دنیا سے علیحدگی اختیار کرنے پر برانگیختہ کرتے تھے۔

ایسے کئی واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے چہرہ پر ایسا رعب تھا کہ سلاطین بھی مرعوب ہو جاتے تھے۔ اوروں کا کیا ذکر۔

(۲) صاحب تفسیر لکھتے ہیں کہ، یہاں ’’ارض‘‘ سے مراد ’’ارض نفس‘‘ ہے۔یعنی نفس کی زمین، اسوقت اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔

چنانچہ کئی روایتیں آئی ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی نظر مبارک کے پڑتے ہی، ان کے دل کی دنیا ہی نہیں بلکہ ان کے نفوس کی زمین جگمگا اٹھتی تھی، یعنی وہ نفس جو، دنیا، عزت، حرص وہوس، فخر وغرور، طمع وخواہش سے مملو ہوتا تھا۔ جب آپؑ کی اس پر نظر پڑتی تھی تو وہ ان سارے صفات سے عاری ہو جاتا تھا۔ بلکہ اس کے بجائے اس پر روحانی تجلّیات کا ظہور ہوتا تھا، چنانچہ حضرت بندگی میاں شاہ نعمت رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسکی بین دلیل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ نعمتؓ نے مہدی علیہ السلام کی تصدیق کرنے سے پہلے اپنا جائز حق نہ ملنے پر بادشاہ وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے خاص مصاحب کے اکلوتے بچے کو بھی قتل کر دیا تھا۔ شاہی فوج ان کو گرفتار کرنے کیلئے ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ شاہ نعمتؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ رہے تھے۔ کہ اچانک اذان کی آواز سنائی دی۔ حضرت شاہ نعمتؓ نے فوراً اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ پھر گھوڑا روک لیا۔ ساتھیوں نے کہا نعمت یہ وقت رکنے کا نہیں ہے، پیچھے سپاہی چلے آرہے ہیں۔ مگر حضرت شاہ نعمتؓ کے کان میں جو ’’حي علي الصلاۃ‘‘، ’’حي علي الفلاح‘‘ کی آواز پڑ رہی تھی۔ اس نے دل کی دنیا ہی بدل دی تھی۔ اور ساتھیوں کی آواز کو اس آواز حق نے دبا دیا۔ آپ یہاں سے اٹھکر جہاں سے آواز آرہی تھی وہاں پہنچے اور حضرت مہدی علیہ السلام کے دربار اقدس تک رسائی حاصل ہوئی، آپؓ کو دیکھتے ہی حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا تم ’’خوان نعمت‘‘ ہو۔ حضرت شاہ نعمتؓ فوراً قدموں پر گر پڑے۔ توبہ کی، بیعت کر لی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا ’’تم نے اللہ کے حقوق کی ادائی میں جو کوتاہیاں کی ہیں، توبہ کرنے سے اللہ ان کو معاف کر دیگا، لیکن بندوں کے تعلق سے تمہاری جانب سے جو حق تلفیاں ہوئی ہیں، ان کو ان متعلقہ افراد سے ہی معاف کروانا پڑیگا۔ چنانچہ حضرت شاہ نعمتؓ، حضرت کے حکم سے ان تمام لوگوں کے پاس پہنچے اور ان سے معافی مانگی، آخر میں اس شخص کے پاس بھی گئے، جس کے لڑکے کو آپ نے قتل کیا تھا، اس نے کہا کہ اب میرے پاس کیا لینے آئے ہو۔ آپؓ نے فرمایا کہ اب میں آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ اگر آپ معاف کرتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ یہ میری تلوار حاضر ہے۔ اور میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں، اسی تلوار سے آپ میرا سر لے سکتے ہیں، اس شخص نے کہا کہ، اب آپ وہ شخص نہیں ہو جس نے میرے بچے کا قتل کیا تھا۔ میں تم کو اس شرط پر معاف کرتا ہوں کہ تم مجھے بھی اس ہستی سے ملاؤ، جس نے تمہارا دل بدل دیا ہے۔ جہاں سے تم کو یہ نعمت ملی ہے۔

یہی معنی ہیں ارض (زمین) کے بدلنے کے یعنی جو زمین جور، کفر، شرک، بدلہ، انتقام، ظلم اور تشدّد کے کانٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی ایک نظر نے اسے توحید، تصدیق، اعتراف، عاجزی، خاکساری اور عدالت حقیقی کے انوار کے پھولوں سے مالا مال کر دیا۔ جہاں دنیا کی محبت تھی۔ اب وہاں اللہ کی محبت پیدا ہوگئی، اس لئے کہ دنیا ہی سارے جرائم کی جڑ ہے۔ جب وہی باقی نہ رہی تو اس زمین میں کثافت کی جگہ لطافت، ظلمت وظلم کی جگہ نورانیت ہی نورانیت آگئی۔

(۳) اب رہی بات عدالت کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ الْمَهْدِيُّ مِنِّي أَجْلَى الْجَبْهَةِ أَقْنَى الأَنْفِ يَمْلأُ الأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِينَ (كتاب المهدی، سنن أبي داود)

ترجمہ: مہدی مجھ سے ہے۔ روشن پیشانی، بلند بینی والا، زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی تھی اور وہ مالک ہو گا سات سال (کیلئے)۔

واضح ہو کہ یہاں ''الأرض'' سے ساری دنیا مراد نہیں ہے، اگر بر سبیل تنزل تسلیم بھی کر لیں تو وہی توجیہ کی جائیگی جو کہ علماء امت نے رسول اللہ ﷺ سے متعلق اس پیش گوئی میں فرمائی ہے۔

جَلاَلُهُ غَطَّى السَّمَاوَاتِ، وَالأَرْضُ امْتَلأَتْ مِنْ تَسْبِيحِهِ یعنی اس کا جلال آسمانوں کو چھپادے گا اور ساری زمین اسکی تسبیح سے بھر جائیگی۔

سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ساری روئے زمین عدل و انصاف سے بھر گئی تھی؟ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اور انصاف کا منبع ہیں، جو آپؐ کی تعلیمات کو اختیار کریگا وہ عدل و انصاف کے اصول پر عمل کریگا، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، لاریب فیہ ولا شک، لیکن کس کیلئے؟ جس نے آپؐ کو مانا اور آپ کے احکام پر عمل کیا، اور جس نے آپؐ کو نہیں مانا، اس کا نتیجہ کیا ہو گا، سب پر عیاں ہے۔ نیز ابن عربیؒ کی تفسیر صوفیانہ ہے، اس کو عام معنوں میں لیا نہیں جاسکتا، ان کے پاس سماوات سے مراد روح ہے، ارض سے مراد نفس ہے تو کہیں بدن ہے وغیرہ۔

صاحب مخزن الدلائل نے بھی وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿الأنبياء: ١٠٧﴾ کے ذیل میں لکھا ہے۔ معناه لمن يطيعه یعنی آپؐ رحمت ہیں اس کیلئے جس نے آپ کی اطاعت کی۔

پس وہ حق پر قائم ہوں گے اور اسکی آنکھ سے (اسے) دیکھتے رہیں گے۔ اور نفس کی زمین اس وقت اپنے رب کے نور سے چمک اٹھیگی اور متصف ہو جائے گی، صفت عدالت سے جو کہ آفتاب وحدۃ کا سایہ ہے اور زمین کل کی کل مہدی علیہ السلام کے زمانے میں عدل اور حق کے نور سے بھری ہوئی ہو گی۔

﴿غافر:۴۶﴾

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿غافر: ٤٦﴾

ترجمہ: دوزخ کی آگ پر صبح اور شام ان کو پیش کیا جائیگا، اور قیامت کے دن بھی (حکم ہو گا) داخل کرو آل فرعون کو سخت عذاب میں۔

تفسیر ابن عربیؒ: {وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ} بمحشر الأجساد أو ظهور المهدي عليه السلام .قيل لهم: ادخلوا {أَشَدَّ الْعَذَابِ} لانقلاب هيئاتهم وصورهم وتراكم الظلمات وتكاثف الحجب وضيق المحبس وضنك المضجع على الأول، وقهر المهدي عليه السلام إياه وتعذيبه لهم لكفرهم به وبعدهم عنه ومعرفته إياهم بسيماهم على الثاني. تفسیر ابن عربیؒ۔ جزء ثانی ص:١٩٧،١٩٦۔

ترجمہ: ویوم تقوم الساعۃ، اور اس دن جبکہ قیامت قائم ہو گی۔ یا تو اجسام کے جمع کئے جانے سے یا مہدی علیہ السلام کے ظہور سے، ان سے کہا جائے گا۔ داخل کرو سخت عذاب میں، ان کی ھیئتوں اور صورتوں کی تبدیلی کی وجہ سے تہ بہ تہ ظلمات میں، موٹے اور دبیز پردوں میں، تنگ بیٹھک ہیں اور تکلیف دہ لیٹنے کی جگہ میں معنی اول کی رو سے، اور ان پر مہدی علیہ السلام کے قہر میں، ان کا مہدی کا انکار کرنے اور آپ سے دور ہونے کی وجہ سے ان کو عذاب دینا ہے، ان کی نشانیوں سے مہدی علیہ السلام ان کو پہچان لیں گے معنی ثانی کے اعتبار سے۔

شرح اس آیت کی تفسیر مفسّر نے دو طرح سے کی ہے۔

ایک یہ کہ قیامت قائم ہو گی جسدوں کے حشر سے۔ اور دوسری یہ کہ قیامت قائم ہو گی "مہدی علیہ السلام کے ظہور سے"۔

پہلے معنی کے لحاظ سے یوں کہ حکم ہو گا کہ آل فرعون کو اشد عذاب میں داخل کرو۔ ان کی ہیئتوں اور صورتوں کے انقلاب، تہ بہ تہ ظلمتوں میں ہونے، موٹے اور دبیز پردوں میں، تنگ بیٹھکوں میں تکلیف دہ لیٹنے کی جگھوں میں ہونے کی وجہ سے۔

اور دوسرے معنی یہ کہ مہدی علیہ السلام کا انکار کرنے۔ آپؑ سے دوری اختیار کرنے کی وجہ ان کو عذاب میں داخل کرنے کا حکم دیا جائیگا، گویا ابن عربیؒ نے منکرین مہدی علیہ السلام کو آل فرعون کے ساتھ رکھا ہے۔

﴿الزخرف:٦٦﴾

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿الزخرف: ٦٦﴾

ترجمہ: یہ لوگ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان پر اچانک آجائے اس حال میں کہ ان کو اسکا شعور تک نہ ہو۔

تفسیر ابن عربیؒ: {هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم} أي: 'ظهور المهدي دفعة' وهم غافلون عنه۔ تفسیر ابن عربیؒ۔ ص ٢٢٠۔

ترجمہ: یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں مگر قیامت کے آنے کا یعنی ظہور مہدی علیہ السلام کا اچانک اس حال میں کہ وہ اس سے غافل ہوں گے۔

﴿الأحقاف:۳﴾

مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ﴿الأحقاف: ٣﴾

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا ھم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اسکو مگر حق کے ساتھ اور ایک مقرر مدت کیلئے۔

تفسیر ابن عربیؒ: {أَجَلٍ مُّسَمًّى} أي: كمال معين ينتهي به كمال الوجود وهو القيامة الكبرى بظهور المهدي وبروز الواحد القهار بالوجود الأحدي الذي يفنى عنده كل شيء كما كان في الأزل- تفسیر ابن عربیؒ۔ جزء ثانی۔ ص۲۳۶

ترجمہ: اجل مسمیٰ، مقررہ مدت یعنی وہ معین کمال جسپر وجود اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور وہ قیامت کبریٰ ہے، مہدی علیہ السلام کے ظہور کے سبب، اور بایں سبب کہ واحد قہار اس وجود واحدی کے ساتھ ظاہر ہو گا۔ جسکے روبرو ہر چیز فنا ہو جائیگی، جیسا کہ ازل میں تھی۔ شرح تفسیر۔ کمال معین سے مراد ابن عربیؒ کے پاس کثرت میں وحدت کے وجود سے ہے۔ یعنی کمال انسان یہی ہے کہ وہ کثرت میں رہنے کے باوجود، اسکی نظر وحدت پر رہے۔ کثرت کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر، وحدت سے صرف نظر نہ کرلے۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت و آمد کا مقصد ہی دیدار خدا کی دعوت تھی۔ اور دیدار خدا انسان کو اسی وقت نصیب ہوتا ہے، جبکہ وہ کثرت میں ہونے کے باوجود، وحدت پر نظر رکھے۔ کثرت کو اللہ تعالیٰ (وحدت) کے شیون سمجھے، صفات سمجھے لیکن ذات کی طلب میں زندگی گذارے، تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ فضل خداوندی کا دروازہ کھلے گا اور اسکو خدا کا دیدار نصیب ہو گا۔

﴿النجم:۵۷﴾

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿النجم: ٥٧﴾

ترجمہ: قریب میں آنے والی چیز نزدیک آگئی۔

تفسیر ابن عربیؒ: إن حملت على القيامة الصغرى فقربها ظاهر، والكاشفة إما المبينة لوقتها أو الدافعة وإن حملت على الكبرى فقربها من وجهين: أحدهما القرب المعنوي لأنها أقرب شيء إلى كل أحد لكونه في عين الوحدة وإن كان هو بعيداً عنها لغفلته وعدم شعوره بها، والثاني: أن وجود محمد وبعثته عليه السلام مقدمة دور الظهور وأحد أشراطه، ولهذا قال: "بعثت أنا والساعة كهاتين" وجمع بين السبابة والوسطى، وتظهر بوجود المهدي عليه السلام- تفسیر ابن عربیؒ۔ (جلد ثانی ص۔ ۲۷۳)

ترجمہ: اگر تم اس کو قیامت صغریٰ پر محمول کرو گے تو قیامت کا قرب ظاہر ہے۔ اور کاشفہ سے مراد یا تو بیان کرنے والی ہے اسکے وقت کا۔ یا وہ دفع کرنے والی ہے۔ اور اگر تم اس کو قیامت کبریٰ پر حمل کرو گے تو قیامت کا قرب دو وجھوں سے ہو گا، ایک قرب معنوی، کیوں کہ وہ ہر ایک کیلئے زیادہ قریب ہے۔ (یعنی موت) کیونکہ وہ وحدت کی نظر میں ہے۔ اگرچیکہ وہ انسان اپنی غفلت اور اس سے عدم شعور کے سبب اس سے دور ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی بعثت، دور ظہور کا مقدمہ اور اسکی شرطوں میں سے ایک ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مبعوث ہوا ہوں میں اور قیامت ان دو (انگلیوں) کی طرح، اور آپؐ نے اپنی کلمہ کی انگلی اور درمیانی انگلی کو جمع فرمایا اور جو ظاہر ہو گی مہدی علیہ السلام کے وجود سے۔

شرح: حضرت ابن عربیؒ نے قیامت کی دو نشانیاں بیان کی ہیں۔

(۱) انسان کی موت، گویا آپ نے قیامت کی بھی دو قسمیں یا دو صورتیں بیان فرمائیں، ایک کو آپ نے موت کا نام دیا، اور یہ فرمایا کہ ہر آدمی کو موت سے دوچار ہونا ہی ہے۔ اور وہی اس کیلئے قیامت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا "متیٰ الساعة"؟ قیامت کب ہے؟ تو آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا "من مات فقد قامت قيامته" جو شخص مر گیا پس اسکی قیامت قائم ہو گئی، یہ شخصی اور انفرادی قیامت ہے۔ اور دوسری قیامت وہ ہے جو سب کیلئے ہونے والی ہے جب کائنات کی ہر شیء فنا ہو جائے گی۔

گویا حضور ﷺ کی بعثت بھی علامات قیامت سے ہے۔ اگرچہ اولین اشراط قیامت سے ہے، اسی طرح مہدی علیہ السلام کی بعثت بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ لیکن جس طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے فوراً بعد قیامت قائم نہیں ہوئی، اگرچہ آپ اس دور کے اول میں ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت کے فوراً بعد قیامت قائم ہو جائے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ مسیح علیہ السلام کے بعد قیامت کا ظہور ہو گا اور مہدی علیہ السلام بحیثیت خلیفة اللہ، رسول اللہ ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام (اللہ کے ان دونوں خلیفوں) کے درمیانی مدت میں مبعوث ہوں گے۔

﴿القمر:۱﴾

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ﴿القمر: ١﴾

ترجمہ: قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔

تفسیر ابن عربیؒ: إنما كان انشقاق القمر آية قرب القيامة الكبرى، لأن القمر إشارة إلى القلب لكونه ذا وجهين: وجه مظلم يلي النفس، وآخر منوّر يلي الروح، ولاستفادته النور من الروح كاستفادة القمر النور من الشمس وانفلاقه بتأثير نور الروح فيه وظهور شمسه من مغربها أي: بروزها من حجاب القلب بعد كونها فيه علامة قرب الفناء في الوحدة

لكونه مقام المشاهدة المؤدية إلى الشهود الذاتي وإن حملت على دور الظهور الذي هو زمان المهدي المبعوث في نسمها. فانشقاق القمر انفلاقه عن ظهور محمد عليه السلام لظهوره في دور القمر---الخ- تفسیر ابن عربی۔ جزء ثانی ص ۲۷۴

ترجمہ: چاند کا شق ہونا قیامت کبریٰ کے قرب کی نشانی ہے، اسلئے کہ چاند سے اشارہ دل کی طرف ہے کیوں کہ اسکے دوڑخ ہیں۔ اسکا ایک رخ تاریک ہے، جو نفس سے ملا ہوا ہے، اور دوسرا رخ منور ہے، جو روح سے ملا ہوا ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ دل، روح سے نور حاصل کرتا ہے۔ جسطرح کہ چاند، سورج سے نور حاصل کرتا ہے۔ اور دل کا منور ہونا روح کے نور کا دل پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے ہے، اور اسکے سورج کا مغرب سے ظہور ہونا(دل کے پردوں میں مجوب رہنے کے بعد دل کے پردے سے اسکا ظاہر ہونا) وحدۃ میں فنا کے قرب کی علامت ہے، اسلئے کہ مقام وحدۃ مقام مشاہدہ ہے جو شہود ذاتی تک پہنچانے والا ہے۔ اور اگر تم اسکو ظہور کے دور پر حمل کرو جو اس مہدی کا زمانہ ہے جسکی بعثت قیامت کی صبح ہونے والی ہے۔ تو شق قمر سے مراد مہدی علیہ السلام کے ظہور کا محمد ﷺ کے ظہور سے انفلاق ہے، اس لئے کہ آپ کا ظہور قمر کے دور میں ہے۔

تشریح: مطلب یہ کہ اگرچہ حضور پر نور محمد مصطفی ﷺ کے دور میں ہدایت کا مہتاب اپنے پورے عروج پر تھا۔ لیکن جب چاند سورج سے شق ہو گا تو سمجھ کہ قیامت قریب ہوگئی، اس لئے کہ چاند سے مراد دل ہے، اور اسکی دو جہتیں ہیں، ایک جہت نفس کی طرف ہے جو تاریک ہے۔ اور ایک جہت روح کی جانب ہے جو منور ہے، اور وہ روح سے نور کا استفادہ اسی طرح کرتا ہے، جس طرح کہ چاند سورج سے نور کا استفادہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسکا ظہور، سورج کے غروب ہونے کے بعد، مغرب کی جہت سے ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مہدی علیہ السلام کا دور شروع ہو گا اور مہدی علیہ السلام بھی دنیا کے سامنے وہی نور (تعلیمات کے انوار) پیش فرمائیں گے۔ جو آپ نے شمس نبوت (محمد رسول اللہؐ) سے حاصل فرمائے ہیں، فرق صرف زمانے کا ہو گا۔ لیکن اصول میں جس طرح رسول اللہؐ نے وحدت ذاتیہ سے انوار کا استفادہ کیا تھا۔ حضور مہدی علیہ السلام بھی انہی انوار کا استفادہ باتباع ذات محمدی بلاواسطہ حاصل کرنے کے بعد امت کے سامنے پیش فرما کر اسے ہلاکت سے محفوظ رکھیں گے۔

﴿الواقعۃ:۱۳تا۱۴﴾

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿الواقعة: ١٣ تا ١٤﴾

ترجمہ: اولین میں ایک کثیر جماعت اور آخرین میں کا کچھ حصّہ۔

تفسیر ابن عربیؒ: {ثلة} أي: جماعة كثيرة {من الأولين} أي: المحبوبين الذي هم أهل الصف الأول من صفوف الأرواح، أهل العناية الأولى في الأزل {وقليل من الآخرين} أي: المحبين الذين تتأخر مرتبتهم عن مرتبة المحبوبين أهل الصف الثاني، ووصفوا بالقليل لأن المحب قلما يدركه شأو المحبوب ويبلغ غايته في الكمال بل أكثرهم في جنات الصفات واقفين في درجات السعداء، والمحبوبون كلهم في جنة الذات بالغين أقصى الغايات، ولهذا قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم:" الثنتان جميعاً من أمتي"، أي: ليس الأولون من أمم المتقدمين والآخرون من أمّته عليه السلام، بل العكس أولى أو ثلة من أوائل هذه الأمة الذين شاهدوا النبي صلى الله عليه وسلم وأدركوا طراوة الوحي في زمانه أو قاربوا زمانه وشاهدوا من صحبه من التابعين، والآخرون هم الذين طال عليهم الأمد فقست قلوبهم في آخر دور الدعوة وقرب زمان خروج المهدي عليه السلام لا الذين هم في زمانه، فإن السابقين في زمانه أكثر لكونهم أصحاب القيامة الكبرى وأهل الكشف والظهور. تفسیر ابن عربی۔ جزء ثانی ص۲۸۷

ترجمہ: ثلة: جماعت کثیر۔ من الاولین: یعنی وہ پسندیدہ لوگ جو ارواح کی صفوں میں پہلی صف کے ہیں اور ازل میں پہلی توجہ کے مستحق ہیں، اور آخرین میں کے کچھ لوگ یعنی وہ محبان خدا ہیں جنکا مرتبہ محبوبین کے مرتبہ کے بعد کا ہے اور وہ دوسری صف کے ہیں، اور ان لوگوں کو قلیل اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ محب بہت کم محبوب کو اور اس چیز کو، جسے وہ چاہتا ہے، پاتا ہے۔ اور بہت کم وہ اپنے مقصد کمال تک پہنچتا ہے۔ بلکہ ان کی اکثریت صفات کی جنتوں میں، سعداء (نیک بختوں) کے درجات میں کھڑے ہوتی ہے۔ (اسکے بر خلاف) محبوبین سب کے سب ذات کی جنت میں اپنے بلند ترین مقاصد (انتہائی حدوں) تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "وہ دونوں جماعتیں مری امت میں سے ہیں یعنی یہ بات نہیں کہ اولین سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے کے انبیاء کی امتوں میں سے ہیں، اور آخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کی امت سے ہیں، بلکہ اسکا عکس اولیٰ ہے۔

یا یہ کہ ثلة سے مراد اس امت کے پہلے حصّے کی وہ کثیر جماعت ہے۔ جس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا اور آپ کے زمانے میں وحی کی طراوت کو پایا، یا وہ لوگ ہیں جو آپ کے زمانے کے قریب کے ہیں اور جنھوں نے ان کو دیکھا جن کو آنحضرتؐ کی صحبت نصیب رہی (یعنی تابعین)۔

اور آخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر (آنحضرتؐ کے بعد) ایک مدت گذر گئی، جسکی وجہ آپکی دعوت کے دور کے آخر حصّے میں اور مہدی علیہ السلام کے خروج کے قریب کے زمانے میں ان لوگوں کے دل سخت ہوگئے۔ نہ کہ وہ لوگ جو مہدیؑ کے زمانے میں ہوں گے، اسلئے کہ مہدی علیہ السلام کے زمانے میں سابقین کی تعداد، اصحاب قیامت کبریٰ اور صاحبان کشف و ظہور کے سبب بہت زیادہ ہو گی۔

شرح: حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا، مجھے اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ اس کے ایک قول "ایک جماعت ہے اولین میں سے" اس سے اس امت کے اگلے لوگ مراد ہیں۔ اور وہ نبی کے اصحاب اور تابعین ہیں، اور اس کے قول "ایک جماعت ہے آخرین میں سے" اس سے اس امت کے پچھلے لوگ مراد ہیں، جو اصحاب یمین سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں (تفسیر نور ایمان، ص۷۲۸)۔

﴿الجمعة:۹﴾

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ ﴿الجمعة: ۹﴾

ترجمہ: جب جمعہ کے دن نماز کیلئے ندا (اذان) دی جائے۔

تفسیر ابن عربیؒ: وقد اشتهر فيما بين الناس في جميع الأعصار أن مدة الدنيا سبعة آلاف سنة على عدد الكواكب السبعة، فكل ألف سنة يوم من أيام الله لقوله: وَإِنَّ يَوْماً عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ [الحج، الآية:47]. وتقيّد مدة الدنيا بالسبعة هو أن جميع مدّة دور الخفاء المطلق ستة آلاف سنة ويبتدىء الظهور في السابع مع ظهور محمد عليه السلام كما قال" :بعثت أنا والساعة كهاتين"، وجمع بين السبابة والوسطى. ويزداد إلى تمام سبعة آلاف سنة من لدن آدم عليه السلام أول الأنبياء إلى زمان المهدي عليه السلام،۔۔۔۔ **الخ تفسیر ابن عربی، ص ۳۱۳، الجزء الثانی۔**

ترجمہ: ہر زمانے میں لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ دنیا کی مدت، سات سیاروں کے عدد کے موافق، سات ہزار سال ہے، پس اس لحاظ سے ایک ہزار سال، اللہ کے دِنوں میں کا ایک دن ہے۔ جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "وَإِنَّ يَوْماً عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ" یعنی بے شک تمہارے رب کے پاس (کا) ایک دن، تمہارے حساب کے ہزار سال کے برابر ہے، دنیا کی مدت کو سات کے عدد کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مطلق خفاء کے دور کی پوری مدت چھ ہزار سال کی ہے۔ اور ساتویں میں محمد ﷺ کے ظہور کے ساتھ، ظہور کی ابتداء ہوئی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں اور قیامت اس طرح پیدا کئے گئے ہیں۔ (آپؐ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو جمع کیا) اور اس ظہور میں زیادتی سات ہزار سال تمام ہونے تک ہوتی رہتی ہے۔ سات ہزار سال کی مدت اول الانبیاء حضرت آدمؑ سے لیکر مہدی علیہ السلام کے زمانے تک کی ہے۔

﴿البينة:۱﴾

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿البينة: ۱﴾

ترجمہ: جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہیں وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ (دلیل) نہیں آجاتا۔

تفسیر ابن عربیؒ: {لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا} أي حجبوا إما عن الدين وطريق الوصول إلى الحق كأهل الكتاب وإما عن الحق أيضاً كالمشركين {منفكين} عما هم فيه من الضلالة {حتى تأتيهم البينة} أي: الحجة الواضحة الموصلة إلى المطلوب وذلك أن الفرق المختلفة المحتجبة بأهوائهم وضلالاتهم من اليهود والنصارى والمشركين كانوا يتخاصمون ويتعاندون ويدعي كل حزب حقية ما عليه ويدعو صاحبه إليه وينسب دينه إلى الباطل، ثم يتفقون على أنّا لا ننفك عما نحن

فيه حتى يخرج النبي الموعود في الكتابين المأمور باتباعه فيهما فنتبعه ونتفق على الحق على كلمة واحدة كما عليه الآن بعينه حال هؤلاء المتعصبين من أهل المذاهب المتفرّقة وانتظارهم خروج المهدي في آخر الزمان ووعدهم على اتباعه متفقين على كلمة واحدة. ولا أحسب حالهم إلا مثل حال أولئك إذا خرج، أعاذنا الله من ذلك،۔ **تفسیر ابن عربی۔ ص، ۴۰۶**

ترجمہ: اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر ہیں، وہ اپنے مقام سے نہیں ہٹیں گے جب تک کہ ان کے پاس "بینۃ" (واضح دلیل) نہ آجائے، "الْبَیِّنَةُ" وہ واضح دلیل ہے جو مطلوب تک پہنچانے والی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ یہود، نصاریٰ اور مشرکین میں سے مختلف فرقے جو اپنی گمراہیوں اور خواہشات نفسانی میں گھرے ہوئے تھے، وہ ایک دوسرے سے عناد اور خصومت رکھتے تھے۔ ہر ایک جماعت اپنے آپ کو حق پر ہونے کا دعویٰ کرتی تھی اور دوسروں کو اپنی جانب بلاتی اور دوسروں کے دین کو باطل کی طرف منسوب کرتی تھی۔ پھر وہ سب اس پر متفق ہوئے تھے کہ ہم ہمارے عقیدے اور طریقے ہرگز نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ وہ نبی ظاہر نہ ہو جائے، جن کا وعدہ دونوں کتابوں (تورات و انجیل) میں کیا گیا ہے۔ اور ان دونوں (کتابوں) میں اس نبی کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (پس اگر وہ آجائے) تو ہم اس نبی کی اتباع کریں گے اور ایک کلمہ پر جو کہ حق ہے ہم سب اتفاق کرلیں گے۔ جیسا کہ آج بالکل یہی حال مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں کے متعصب افراد کا ہے۔ جو آخر زمانے میں مہدی کے خروج کا انتظار کرتے ہیں اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ جب وہ آجائیں گے تو سب ان کا اتباع کرتے ہوئے کلمہ واحدہ پر متفق ہو جائیں گے۔ جب مہدیؑ ظاہر ہوں گے تو میرا یہ خیال ہے کہ ان فرقوں کا حال بھی وہی ہوگا جو ان فرقوں کا ہوا (یعنی یہ فرقے مہدیؑ کی تصدیق نہیں کریں گے، بلکہ انکار کریں گے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد، آپؐ کی نبوت کا انکار کیا تھا) اللہ ہم سب کو اس سے بچائے۔